ARAMAIC APPROACH TO THE FOUR GOSPELS

Archdeacon Allama Barakat Ullah

اناجیل اربعہ کی زبان

اور چند آیات کا نیا ترجمہ

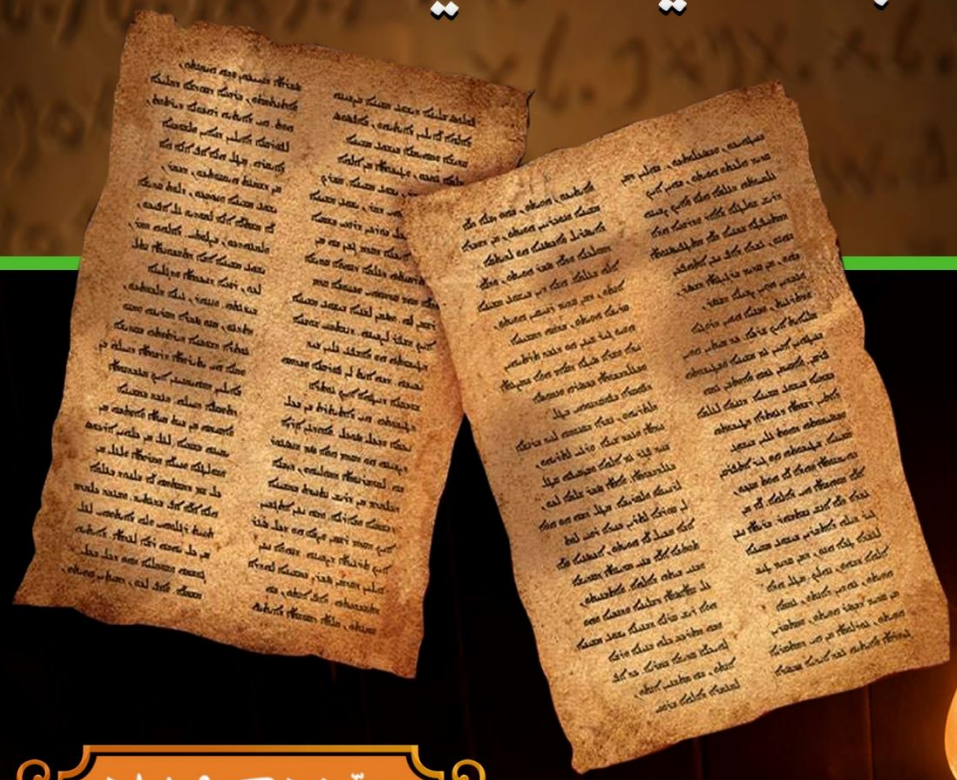

علامہ برکت اللہ

1953

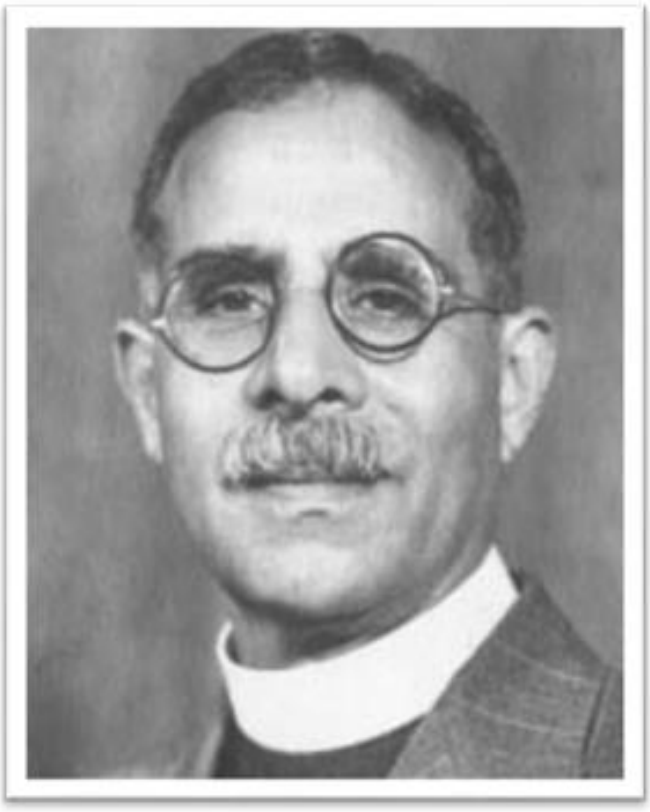

1891-1972

ALLAMA BARAKAT ULLAH, M.A.F.R.A.S

Fellow of the Royal Asiatic Society London

یہ رسالہ نیشنل کرسچین کونسل آف انڈیا کے

لٹریچر بورڈ کی مالی امداد سے شائع کیا گیا۔

دیباچہ

اس رسالہ کا بیشتر حصہ اخبار نور افشاں میں بزیرِ عنوان "اناجیلِ اربعہ کی چند آیات کا نیا ترجمہ" چھپ چکا ہے۔

احباب تقاضا کر رہے ہیں کہ ان مضامین کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ پس ان کو مناسب ردوبدل اور ایزادیوں کے بعد شائع کیا جارہا ہے۔ میری دعا ہے کہ اردو خوان مسیحی اس کے مطالعہ سے انجیلِ جلیل کی آیات اور سیدنا مسیح کے کلماتِ طیبات کو کماحقہ سمجھ کر ابدی زندگی کے وارث ہو جائیں۔ آمین

کورٹ روڈ امرتسر پنجاب

احقر العباد

برکت اللہ

یکم جون ۱۹۵۳ء

فہرستِ مضامین

حصہ اول۔ اناجیل اربعہ کی زبان

فصل اول۔ پہلی صدی میں ارضِ مقدس کی زبانیں

ارامی زبان کا عروج وزوال

یونانی زبان اور یونانی تہذیب

فصلِ دوم۔ زمانہ تصنیفِ اناجیل اربعہ

اناجیلِ اربعہ کی تاریخِ تصنیف

فصل سوم۔ اناجیل اربعہ کے یونانی ترجمہ کا زمانہ

یونانی ترجمہ کی زبان

اناجیلِ اربعہ کے یونانی ترجمہ کی خصوصیت

اناجیلِ اربعہ کے متن کی صحت

انجیل کے مجموعہ کے باقی رسائل

حصہ دوئم۔ تمہید

اناجیلِ اربعہ کی چند آیات کا نیا ترجمہ

انجیلِ متی

باب	آیت	باب	آیت	باب	آیت	باب	آیت	باب	آیت
۲	۲۳	۵	۴۸	۶	۱۳	۸	۹	۱۰	۲
۱۰	۴	۱۰	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۳	۲۶	۴۱
۲۶	۴۵	۲۷	۳۲	۷۲					

انجیلِ مرقس

باب	آیت	باب	آیت	باب	آیت	باب	آیت	باب	آیت
۳	۱۹	۴	۱۲	۶	۸	۹	۲۹	۹	۴۹
۹	۵۰	۱۰	۱۲	۱۰	۳۲	۱۴	۳۸	۱۴	۴۱
۱۵	۲۱	۱۶	۲						

انجیلِ لوقا

باب	آیت	باب	آیت	باب	آیت	باب	آیت	باب	آیت
۱	۳۹	۲	۱	۶	۱۶	۶	۴۰	۷	۸
۸	۱۰	۸	۲۷	۸	۳۹	۹	۳	۹	۱۰
۱۰	۴	۱۱	۴	۱۱	۴۸	۱۳	۳۱	۱۳	۳۲
۱۳	۳۳	۱۶	۸	۱۶	۹	۱۶	۱۶	۲۱	۵
۲۲	۴۰	۲۲	۴۶	۲۳	۲۶	۲۴	۳۲		

انجیلِ یوحنا

باب	آیت	باب	آیت	باب	آیت	باب	آیت	باب	آیت
۱	۱۳	۱	۱۵	۱	۱۸	۳	۱۳	۳	۳۳
۳	۳۴	۵	۴۴	۶	۲۱	۶	۳۲	۷	۳
۷	۲۷	۷	۲۸	۷	۳۷	۷	۳۸	۸	۵۶
۱۰	۷	۱۱	۴۹	۱۲	۷	۱۳	۳۲	۱۴	۲
۱۴	۳۱	۲۰	۲	۲۰	۱۷				

حصّہ اوّل

اناجیلِ اربعہ کی زبان

یونانی لفظ "انجیل" کے معنی بشارت یا خوشخبری کے ہیں۔ مسیحی اصطلاح میں یہ لفظ عموماً اُن ستائیس (۲۷) کتابوں کے مجموعہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو "عہد جدید" میں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں لفظ "انجیل" کا اطلاق اس مجموعہ کی پہلی چار کتابوں پر بھی کیا جاتا ہے جن میں حضرت کلمۃ سیدنا مسیح کی تعلیم اور سوانح حیات وغیرہ درج ہیں۔ مثلاً "متی کی انجیل" سے مراد وہ کتاب ہے جس میں حضرت متی نے آپ کی تعلیم اور سوانح زندگی وغیرہ جمع کئے تھے۔ علیٰ ہذاالقیاس (اسی طرح) مرقس کی انجیل، لوقا کی کی انجیل، اور یوحنا کی انجیل سے مراد وہ رسالے ہیں جو اُن حضرات نے لکھے تھے جن میں اُنہوں نے اپنے اپنے نکتہ نگاہ کے مطابق کلمۃ اللہ کی تعلیم اور واقعات زندگی وغیرہ جمع کئے تھے۔ یہ تعلیم آپ کی جانفزا "بشارت" تھی اور آپ کی زندگی کے واقعات اس بشارت کو واضح کرتے تھے اور آپ کے پیغام کا عملی نمونہ تھے۔

حضرت کلمۃ اللہ نے خود نہ کوئی انجیل لکھی اور نہ لکھوائی۔ لیکن آپ اپنے پیغام کو "انجیل" یا "خوشخبری" کہتے تھے (مرقس ۱: ۱۴تا۱۵)۔ آپ کی مادری زبان ارامی تھی۔ لیکن اناجیلِ اربعہ جن میں آپ کی تعلیم، سوانح حیات، صلیبی موت اور صعودِ آسمانی کا ذکر ہے یونانی زبان میں ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا یہ اناجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھیں؟ اگر لکھی گئی تھیں تو وہ کب احاطہ تحریر میں آئیں؟ موجودہ یونانی اناجیل کب اور کن حالات کے اندر معرض وجود میں آئیں۔ اُن کے یونانی متن کا ارامی اناجیل سے کیا تعلق ہے؟

اس حصہ میں ہم اختصار کے ساتھ ان اہم سوالوں پر غور کریں گے۔ اگرچہ اناجیل آسمانی کتابیں ہیں تاہم وہ دیگر دینوی کتُب کی طرح انسانوں کے ذریعہ تالیف کی گئیں۔ اُن کی زبان۔ اُن کے مولفین کی طرزِ تحریر، محاورات، نکتہ نگاہ وغیرہ میں فرق ہے، اگرچہ ان کا موضوع ایک ہی ہے۔ لیکن یہاں ہم اُن کے خاص موضوع پر بحث نہیں کریں گے۔ بلکہ ان اناجیل کے ماخذ اور اُن کے متن کی صحت پر بحث کریں گے اور اُن کو انہی اصولِ تنقید کی محک (کسوٹی، وہ سیاہ پتھر جس پر سونا چاندی پرکھا جاتا ہے) پر پرکھیں گے جو ادبی دنیا میں تسلیم کئے گئے ہیں اور جن کے مطابق فی زمانہ، تمام مہذب اقوام کی لٹریچر کی کتابوں کی چھان بین کی جاتی ہے۔ ان تنقیدی اصولوں کے ماتحت ہم بیرونی شہادت یعنی تاریخی واقعات اور اندرونی شہادت یعنی بائبل کی آیات سے ہی کام لیں گے اور کلیسیائی روایات وغیرہ سے کچھ سروکار نہیں رکھیں گے۔

فصل اوّل

پہلی صدی مسیحی میں ارضِ مقدس کی زبانیں

ارامی زبان کا عروج وزوال:

پہلی صدی مسیحی میں ارضِ مقدس میں چار زبانیں بولی جاتی تھیں۔اہل یہود ارامی بولتے اور عبرانی سمجھ سکتے تھے۔غیر یہود کی زبانیں لاطینی اور یونانی تھیں۔اہلِ یہود کی کتبِ مقدسہ عبرانی زبان میں تھیں اور یہ کتابیں اصل زبان میں یروشلیم کی ہیکل اور دیگر جگہوں کے یہودی عبادت خانوں میں پڑھی جاتی تھیں۔لیکن عبرانی زبان اہل یہود کے مدرسہ دینیات اور علماء کے طبقہ تک ہی محدود تھیں۔عوام الناس ارامی زبان بولتے تھے(اعمال ۱:۱۹، ۲۱:۴۰، ۲۲: ۲ وغیرہ) حضرت کلمۃ اللہ کی پیدائش سے صدیوں پہلے ارامی نے عبرانی کی جگہ غضب کرلی تھی۔دونوں زبانیں سامی تھیں اور ایک دوسرے سے متعلق تھیں۔ارامی بھی ایک قدیم زبان تھی۔عہدِ عتیق سے پتہ چلتا ہے۔کہ خاص مسوپوٹامیہ میں ارامی آباد تھے۔یہ وہ خِطہ تھا جو دجلہ، فرات اور شمال کی جانب سلسلہ کوہسار اور صحرا کے درمیان ہے اور یہی وجہ تھی کہ یونانیوں نے اس خطہ کا نام مسوپوٹامیہ رکھا تھا۔پیدائش کی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم، بی بی سارہ، حضرت یعقوب، اُن کی ازدواج بی بی لیاہ اور بی بی راخل سرزمین حاران کے تھے۔حضرت یعقوب کے خسر بیتوایل ارامی تھے(پیدائش ۲۵:۲۰۔۲۸:۵)۔اور ارامی بولتے تھے(پیدائش ۳۱:۴۷)۔

اخیمی سلطنت کے مغربی نصف حصہ میں ارامی درباری زبان تھی اور مسیح سے آٹھ صدیاں قبل شام کے شمالی حصہ میں نوشت وخواند کا وسیلہ تھی اگرچہ اس حصہ کی آبادی خالص ارامی نہ تھی۔ایرانی سلطنت کے زمانہ (از ۵۳۶تا۳۳۰ قبل مسیح) میں ارامی نے مغربی ایشیا میں اپنا تسلط قائم کرلیا تھا۔اور فرات سے لے کر بحر متوسط تک بولی جاتی تھی اور فرات کے مغربی جانب کے صوبوں کی درباری زبان تھی۔مصر میں بھی ایرانی زمانہ کے کتبے دستیاب ہوئے ہیں جن پر زرسیس (Xerxes) کو چوتھا سال (۴۸۲ قبل مسیح) ثبت ہے۔ان سے اور دیگر سرکاری کاغذات سے جو ملے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے۔کہ ایرانی شہنشاہ ارامی کو مصری زبان پر ترجیح دے کر مصریوں کے ساتھ اور مغرب کے دیگر ممالکِ محروسہ (ماتحت کیا گیا) کے ساتھ ارامی میں خط وکتابت کیا کرتے تھے۔اسوری سلطنت کے بادشاہوں کے وقت میں ارامی نہ صرف درباری زبان تھی بلکہ اُنہوں نے اس کو ہر زبان پر ترجیح دے رکھی تھی۔کیونکہ اس سلطنت کی بیشتر آبادی ارامیوں پر مشتمل تھی۔یہی وجہ تھی کہ شاہِ اسور کا ربساقی ارامی میں کلام کرتا تھا اور شاہِ یہودا کے اراکینِ دربار بھی ارامی سے بخوبی آشنا تھے(۲سلاطین ۱۸:۲۶۔یسعیاہ ۳۶:۱۱)۔فاضل نویلدیکی ہم کو بتلاتا ہے کہ

''اسوریوں کے زمانہ سلطنت میں اُنکی رعایا کا بہت بڑا حصہ ارامی زبان بولتا تھا''۔

کلدی سلطنت کے غلبہ نے بھی (گو وہ پائدار نہ تھا) ارامی زبان کو بڑی تقویت دی۔ مدینہ کے شمال سے جو کتبے دستیاب ہوئے ہیں، اُن سے پتہ چلتا ہے کہ پانچ سو سال قبل مسیح عرب کے شمال مغرب میں ارامی آباد تھے اور یہ زبان عرب میں چوتھی صدی مسیحی تک نوشت وخواند کا ذریعہ تھا۔ اور مہذب زبان ہونے کی وجہ سے اس کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اہل عرب اسی زبان میں لکھا پڑھا کرتے تھے کیونکہ اُن کی اپنی زبان ہنوز احاطہ تحریر میں نہیں آئی تھی۔ پارتھیوں کی سلطنت میں بھی اس کو ممتاز جگہ حاصل تھی۔ کیونکہ یہ زبان تہذیب اور کلچر کی زبان تھی۔ گو اس سلطنت کی درباری زبان پہلوی تھی۔

پس اگرچہ ارامی زبان کی ابتدا مسوپوٹامیہ اور شام کے چند اضلاع سے ہوئی لیکن وہ آہستہ آہستہ دُور دراز کے مقامات اور مختلف ممالک میں پھیل گئی۔ پہلی صدی مسیحی کے قبل ارامی زبان کی مختلف شاخیں اُن تمام ممالک میں مروج تھیں جو بحر متوسط اور کوہسار آرمینیا اور کروستان کے درمیان واقع تھے۔ رفتہ رفتہ یہ زبان ارضِ مقدس پر بھی چھاگئی۔ حضرت کلمۃ اللہ کی پیدائش سے بہت پہلے ارضِ مقدس میں عوام الناس عبرانی کی بجائے ارامی بولتے تھے۔ اگرچہ اس زمانہ کا صحیح تعین نہیں ہو سکتا۔ اہل یہود کی اسیری (۵۸۶ قبل مسیح) سے پہلے کی یہودی کتابوں پر بھی اس زبان کا اثر نظر آتا ہے۔ اگرچہ عہدِ عتیق کی بعض کتُب مثلاً آستر کی کتاب۔ واعظ کی کتاب اور بعض مزامیر کی زبان عبرانی ہے۔ لیکن ان کی طرزِ تحریر سے ظاہر ہے کہ ان کے مصنفین کی مادری زبان ارامی تھی کیونکہ ان کے الفاظ کے پیچھے جو روح ہے، وہ ارامی ہے۔ عزرا کی کتاب (جو قریباً تین سو سال قبل مسیح لکھی گئی) کے مصنف نے ایک ارامی کتاب کا اقتباس کیا ہے (۴: ۸تا۶: ۱۸، ۷: ۱۲تا۳۶)۔ دانی ایل کی کتاب ۱۶۶ سال قبل مسیح لکھی گئی اور اس کا نصف حصہ ارامی زبان میں ہے (۲: ۴تا۸: ۲۸)۔

پہلی صدی مسیحی میں جس قسم کی ارامی زبان ارضِ مقدس میں بولی جاتی تھی۔ اس کا علم ہم کو یہودی کتُب "ترجم" (Targum[1]) سے مل سکتا ہے۔ یہودی عبادت خانوں میں یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب تورات کی کتب پڑھی جاتیں تو ہر آیت کے پڑھنے کے بعد اس کا ارامی میں ترجمہ کیا جاتا اور جب صحائف انبیاء اور کتُب تواریخ پڑھی جاتیں تو ہر تین آیات کے پڑھنے کے بعد ترجمہ کیا جاتا تاکہ عوام الناس صحفِ مقدسہ کو سمجھ سکیں۔ یہ ترجمہ مابعد کے زمانہ میں احاطہ تحریر میں آگیا جس کو "ترجم" کہتے ہیں۔ ان کی زبان اُس ارامی سے مختلف نہیں ہے جو بائبل کی کتب عزرا اور دانی ایل میں ہے۔ حضرت کلمۃ اللہ اور آپ کے حواری ارامی زبان میں کلام کرتے تھے اگرچہ ان کی زبان یروشلیم اور اُس کے مضافات (مضاف کی جمع، منسلک، اضافہ کیا گیا) کی زبان کی طرح شستہ (پاک خالص) نہ تھی (مرقس ۱۴: ۷۰)۔ حضرت کلمۃ اللہ خود عبرانی کا علم رکھتے تھے اور کتب مقدسہ کی تلاوت اصل زبان میں فرمایا کرتے تھے (مرقس ۱۲: ۲۴، ۲۷۔ ۱۵: ۳۴، لوقا ۴: ۱۶تا۱۷)۔ لیکن آپ اپنے پیغام کو عوام الناس کی بولی ارامی میں سنایا کرتے تھے (اعمال ۲۶: ۱۴)۔ لوگ جوق در جوق "خوشی" اور شوق سے آپ کے کلمات کو سننے کی خاطر جمِ غفیر (بھیڑ) میں جمع ہو جاتے اور ایسا کہ کھوسے کھوا چھلتا تھا (مرقس ۱: ۳۳، ۴۵، ۲: ۴۔ ۴: ۱، ۵: ۲۴۔ لوقا ۱۹: ۴۸ وغیرہ) اس بات کا ثبوت کہ آپ ان سے ارامی میں کلام کیا کرتے تھے، اناجیلِ اربعہ کے یونانی متن سے بھی ملتا ہے جہاں چند مقامات میں آپ کے منہ کے ارامی الفاظ محفوظ ہیں۔ (مرقس ۵: ۴۱، ۷: ۳۴، متی ۲۷: ۴۶ وغیرہ)۔

[1] https://en.wikipedia.org/wiki/Targum

پہلی صدی مسیحی میں ارضِ مقدس پر قیاصرہ روم حکمران تھے۔ان کی زبان لاطینی تھی۔ لیکن گواس صدی کے اوائل میں ملکِ شام میں یونانی نے اپنے قدم جمالئے تھے تاہم ارامی زبان کے غلبہ کا یہ حال تھا کہ لاطینی زبان کے وہم وگمان میں بھی یہ بات کبھی نہ آئی کہ ارامی کی جگہ غضب کرلے۔ لیکن مثل مشہور ہے۔ ہر کمالے راز والے (انتہائی ترقی کے بعد زوال شروع ہوتا ہے)۔ یروشلیم کی تباہی (۷۰ء) کے بعد حالات دگرگوں ہوگئے (اُلٹ پُلٹ گئے)۔ قومِ یہود کی تباہی کے ساتھ یونانی نے اپنے پاؤں پھیلا لئے۔ پھر بھی ساتویں صدی مسیحی تک اس زبان کی مختلف شاخیں (بالخصوص شامی زبان) یونانی زبان کے بعد اہم ترین زبان تصور کی جاتی تھیں۔ لیکن اہلِ عرب کی اسلامی فتوحات نے ارامی زبان کا یک لخت خاتمہ کردیا اور یہ زبان جو بارہ سو (۱۲۰۰) سال سے زائد عرصہ تک ہر مہذب قوم کے استعمال میں آئی تھی، اسلامی غلبہ کے ہاتھوں ناگہانی موت مرگئی اور عربی زبان نے اس کی جگہ لے لی۔ موجودہ زمانہ میں یہ زبان چند اضلاع میں ہی بولی جاتی ہے۔

یونانی زبان اور یونانی تہذیب:

یونانی زبان فلسفہ، ادب اور تہذیب کی زبان تھی۔ وہ افلاطون، ارسطو اور دیگر حکماء کی زبان تھی۔ جو لکھا پڑھا شخص مہذب ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اس کے لئے یونانی کا علم حاصل کرنا لابدی امر تھا۔ سکندر اعظم کی فتوحات (۳۲۳ قبل مسیح) نے اس زبان اور تہذیب کی رونق کو دوبالا کردیا تھا۔ اس فاتح کے زمانہ میں ارامی زبان فرات سے لے کر بحر متوسط کے تمام ممالک پر چھاگئی تھی۔ لیکن اس کی فتوحات کے ساتھ زمانہ نے پلٹا کھایا اور یونانی ارامی کی حریف (دشمن) ہوگئی۔ جب سکندر نے ارضِ مقدس (کنعان) کو (۳۳۲ قبل مسیح) حاصل کرلیا تو اُس نے اہل یہود کو اپنی شریعت اور دستورات پر عمل کرنے کی رعایت عطا کی۔ جو یہودی اُس کے شہر سکندریہ میں بستے تھے اُن کو پورے شہری حقوق عطا کردئے۔ اُس کے جانشینوں یعنی ٹولومیوں کے ماتحت (۳۲۰ قبل مسیح تا ۱۹۸ قبل مسیح) اور سلوکیوں کے ماتحت شام اور مصر کے ممالک نے یونانی زبان اور کلچر کو قبول کرلیا۔ رفتہ رفتہ اہل یہود میں بھی یونانیت اپنا اثر دکھلانے لگی۔ کیونکہ یہودی ان دنوں تمام دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ ٹولومیوں کے ماتحت سکندریہ کے یہودی بہت حد تک یونانی فلسفہ اور تہذیب سے متاثر ہوچکے تھے حتیٰ کہ ان کی خاطر اہل یہود کی کُتب مقدسہ کا عبرانی سے یونانی میں ترجمہ کرنا پڑا۔ یہ یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ تیسری صدی قبل مسیح کے درمیان سکندریہ میں شروع ہوا اور دوسری صدی قبل مسیح میں ختم ہوا۔ یہ ترجمہ مشہور ترین ترجمہ ہے جو نہایت مستند ہے۔

ارضِ مقدس کے یہودی بھی یونانیت کی بے پناہ موجوں سے نہ بچ سکے۔ چنانچہ مسیح سے دو صدیاں قبل ان میں ایک ترقی پسند پارٹی قائم ہوگئی جس کا مقصد یہ تھا کہ یہودی شریعت اور دستورات کی بجائے یونانی فلسفہ تہذیب اور کلچر ملک کنعان میں رواج پاجائیں۔ اینٹی اوکس چہارم (Antiochus Epiphanes[1]) نے ہر ممکن طور پر از حد کوشش کی کہ ارضِ مقدس میں یونانیت کا بول بالا ہوجائے۔ لیکن اہل یہود نے منظم طور پر اس کا مقابلہ کیا۔ اُس نے حکم دیا کہ اُس کی تمام رعایا (یہودیوں سمیت) یونانی مذہب اور یونانی رسوم ورواج کو اختیار کرلیں اور اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے کو جان سے مارا جائے۔ اُس نے ۱۶۷ قبل مسیح سامریہ اور یروشلیم کی ہیکل کی قربانگاہ پر جوپیٹر کی قربان گاہ بنائی۔

[1] https://en.wikipedia.org/wiki/Antiochus_IV_Epiphanes

اور خنازیر (سوُر) اور دیگر حرام جانوروں کی قربانیاں کیں۔ اُس نے یہود کو بُتوں کی قربانیوں کا گوشت جبراً کھلایا اور اُن کو مجبور کیا کہ وہ بیکس (شراب کا دیوتا) کا تہوار منائیں۔ سبت اور ختنہ کے شرعی احکام کو نہ مانیں، نماز نہ پڑھیں، اپنے معبود یہوواہ کی عبادت نہ کریں اور ان تمام امور سے پرہیز کریں جن سے یہ تمیز ہو سکے کہ وہ یہودی ہیں۔ اُس نے تورات کی کاپیوں کو نذرِ آتش کر دیا اور ہزاروں یہودیوں کو تہ تیغ (تلوار سے قتل) کر دیا۔ لیکن اہل یہود نے (۱۶ قبل مسیح) مکابیوں کے ماتحت اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بالاان مجاہدین کی کوششوں سے یونانیت کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ لیکن اس کے ساٹھ سال بعد فریسیوں اور صدوقیوں کے دھڑے بازی اور اہل یہود کی باہمی رقابت و پرخاش کی بدولت یونانیت کے قدم دوبارہ جم گئے۔ (۶۳ قبل مسیح) یہودیہ رومی سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔ قیاصرہ روم نے ادومی نسل کے ہیرودیس کو (۴۰ قبل مسیح) یہودیوں کا بادشاہ بنا دیا۔ اس شاہی خاندان کی طفیل یونانیت ارضِ مقدس میں مضبوط جڑ پکڑ گئی۔ فریسی ربی اس بادشاہ کے جانی دشمن تھے۔ لیکن ان کی مخالفت کو دبانے کی خاطر اُس نے یونانیت کے شیدائی یہودیوں کو منظورِ نظر بنالیا اور یونانی اور رومی خیالات، رسوم ورواج اور طرزِ رہائش وغیرہ کو ترقی دی۔ اُس نے خاص یروشلیم میں تھیٹر اور تماشہ گاہیں (Amphi Theatre) بنائیں۔ قیصریہ کے شہر کو یونانی رومی آرٹ کا بہترین نمونہ بنا کر قیصر کے نام پر اس شہر کا نام قیصریہ رکھا۔ اُس نے جگہ جگہ رومی اور یونانی دیوتاؤں کے مندر بنوائے اور یہود کو خوش کرنے کے لئے اور اپنی عظمت بڑھانے کے لئے اس نے سن (۲۰ قبل مسیح) یروشلیم کی ہیکل کو نہایت عالی شان پیمانہ پر تعمیر کرنا شروع کیا (مرقس ۱۳: ۱۔ متی ۲۴: ۱۔ یوحنا ۲: ۲۰ وغیرہ) جس کو اس کے پڑپوتے ہیرودیس اگرپا روم نے (۶۵ء) ختم میں کیا۔ لیکن ہیرودیس نے اس ہیکل کے بڑے پھاٹک پر ایک طلائی عقاب نصب کر دیا جو قیاصرہ روم کا نشان تھا۔ جس سال سیدنا مسیح پیدا ہوئے، افواہ اڑ گئی کہ ہیرودیس مر گیا ہے۔ اس پر فریسیوں نے اس طلائی عقاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ جب ہیرودیس کو خبر ہوئی اُس نے سردار کاہن متھیاس کو اس کے عہدے سے معطل کر دیا اور فریسیوں کو زندہ آگ میں جلا دیا۔

پس آنخداوند کے زمانہ میں سیاسی اور سماجی حالات کی وجہ سے یونانیت کی لہر بڑی تیزروی سے ارضِ مقدس میں چار سو پھیل گئی۔ خاص یہودیہ کے صوبہ میں اہل یہود کے علاوہ اطالوی۔ ادومی اور مختلف دیگر نسلوں اور قوموں کے لوگ بود و باش رکھتے تھے۔ گلیل کا صوبہ "غیر قوموں کی گلیل" کہلاتا تھا۔ جس میں یونانی فینکی، شامی وغیرہ اقوام آباد تھیں۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے یونانی زبان اور یونانیت روز بروز ترقی حاصل کرتی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں اقتصادی حالات بھی سازگار تھے اور یونانیت کے پھیلنے میں معاون تھے۔ کیونکہ یونانی زبان تجارتی اغراض کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ بالخصوص وہ بندرگاہوں اور اُن شاہراہوں کے ارد گرد کے قصبات اور دیہات میں بولی جاتی تھی جو ملک کنعان کو ایشیائے کوچک مسوپوٹامیہ اور مصر کے ممالک کے ساتھ ملاتے تھے۔ ان سیاسی، سماجی اور اقتصادی اسباب کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ یونانی زبان روز افزوں ترقی پر تھی۔ عوام الناس ارامی بولتے تھے پر یونانی سمجھ سکتے تھے اور ضرورت کے وقت بات چیت بھی کر لیتے تھے۔ خود سیدنا مسیح کا عالیشان شہر (متی ۹: ۱۔ ۱۱) کفرنحوم ایک ایسی شاہراہ پر تھا۔ ماہی گیروں کی بڑی بندرگاہ ہونے کے علاوہ یہ شہر تین اطراف سے گینسرت کے زرخیز میدان سے گھرا ہوا تھا اور تجارت کا بڑا مرکز تھا۔ علاوہ ازیں وہ اُس شاہراہ پر واقع تھا جو دمشق سے لیوینٹ کو جاتی تھی۔ لہذا غلب ہے کہ حضرت کلمۃ اللہ یونانی زبان سے بھی واقف تھے۔

فصل دوم

زمانہ تصنیفِ اناجیل اربعہ

(۱)

جب حضرت کلمۃ اللہ قریباً "تیس برس" کے ہوئے (لوقا۳: ۲۳) آپ نے ۲۶ء میں "روح کی قوت سے معمور ہو کر" (لوقا۴: ۱۴) "خدا کی خوشخبری" کی تبلیغ کی اور کہا کہ "وقت پورا ہو گیا ہے اور خدا کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔ توبہ کرو اور خوشخبری پر ایمان لاؤ" (مرقس ۱: ۱۴) عوام الناس کی بھیڑوں کی بھیڑیں آپ کی خوشخبری کا پیغام سننے کے لئے ہر جگہ جمع ہو جاتیں (متی ۴: ۲۳، ۲۵۔ مرقس ۱: ۳۳، یوحنا ۶: ۱۰، ۲۴، مرقس ۴: ۱ وغیرہ) آپ نے اپنے مقلدین (پیروی کرنے والے) میں سے "بارہ کو مقرر کیا تاکہ وہ آپ کے ساتھ رہیں" (مرقس ۳: ۱۴)۔ یہ بارہ حواری بالعموم مزدور طبقہ کے لوگ اور اہل یہود کے مختلف فرقوں اور گروہوں میں سے تھے۔ لیکن سب کے سب لکھے پڑھے تھے۔ کیونکہ اہل یہود کے ہر بچہ کے لئے لکھنا پڑھنا لازمی تھا۔ حضرت کلمۃ اللہ کی تعلیم سن کر "سب لوگ حیران رہ جاتے اور آپس میں یہ کہہ کر بحث کرتے "کہ یہ کیا ہے۔ یہ تو نئی تعلیم ہے" کیونکہ آپ اُن کو فقیہوں کی طرح نہیں بلکہ صاحبِ اختیار کی طرح" تعلیم دیتے تھے" (مرقس ۱: ۲۷۔، متی ۷: ۲۹ وغیرہ) نہ صرف صوبہ گلیل کے پس ماندہ لوگ آپ کی تعلیم کو سن کر حیران رہ جاتے تھے۔ بلکہ یہودی علماء اور فضلاء کے خاص گڑھ یروشلیم کے رہنے والے بھی دنگ رہ جاتے اور بے ساختہ پکار اٹھتے کہ "انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا" (یوحنا ۷: ۴۶)۔ دریں حالات آپ کے بعض شیدائیوں اور حواریوں نے جو آپ کے ساتھ شب و روز رہے (متی ۱۷: ۱، یوحنا ۱۵: ۱۵، لوقا ۲۲: ۱۴ وغیرہ) آپ کے کلمات کو قلمبند کرنا شروع کیا جس طرح رسولِ عربی کے بعض معتقدین نے آپ سے سن کر قرآن لکھنا شروع کیا۔ ان حواریوں میں سے بالخصوص حضرت متیؔ آپ کے نادر اور چیدہ برجستہ کلمات کو ارامی میں جمع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فرگیہ کے شہر ہائراپولس کا بشپ پے پئیس (Papias of Hierapolis[1]) دوسری صدی کے اوائل (۱۳۰ء) میں ہم کو بتلاتا ہے کہ

"متی نے آنخداوند کے کلماتِ کو ارامی زبان میں جمع کیا اور لوگ اپنی لیاقت کے مطابق اُن کو سمجھتے تھے"۔

پے پئیس کی شہادت قابل قدر ہے۔ کیونکہ اُس نے یہ بات اُن لوگوں سے معلوم کی تھی جو حضرت متی کے ساتھی رہ چکے تھے۔ پس کلمۃ اللہ کی حین حیات میں لوگوں نے اور بالخصوص حضرت متی رسول نے آپ کے چند کلمات کو ارامی زبان میں جمع کیا۔

[1] https://en.wikipedia.org/wiki/Papias_of_Hierapolis

(۲)

جب حضرت کلمۃ اللہ کو مصلوب کیا گیا تو واقعہ صلیب کے پچاس روز بعد (اعمال ۲: ۱) یعنی دوماہ کے اندر اندر آپ کے حواریوں کی تبلیغی مساعی (کوشش) کی وجہ سے تین ہزار کے قریب لوگ آپ پر ایمان لے آئے (اعمال ۲: ۴۱)۔ یہ یہود مختلف ممالک سے عید کے روز یروشلیم میں جمع ہوئے تھے۔ جو پارتھی، مادی، عیلامی، مسوپوٹامیہ، یہودیہ، کپدکیہ، پنطس، آسیہ، فروگیہ، پمفولیہ، مصر، کرینے، کریتی اور عرب کے رہنے والوں میں سے تھے (اعمال ۲: ۹)۔ اس کے چند روز بعد "ایمانداروں کی تعداد پانچ ہزار کے قریب ہو گئی" (اعمال ۴: ۴)۔ اس کے چند ماہ بعد یہودی نو مریدوں کی کلیسیائیں اور دیگر غیر یہود کلیسیائیں ارضِ مقدس کے مختلف صوبوں کے شہروں، قصبوں، اور گاؤں میں بڑی تیز رفتاری سے قائم ہو گئیں (اعمال ۵: ۲۸، ۸: ۴، ۱۴، ۳۸، ۴۰۔ ۹: ۲۰، ۳۱، ۳۲۔ ۱۰: ۲۴، ۲۴، ۴۴، ۴۸۔ ۱۱: ۱۹ وغیرہ)۔ جب واقعہ صلیب کے قریباً چھ سال بعد حضرت پولوس مسیحی کلیسیا کے زمرہ میں داخل ہو گئے (اعمال ۹ باب) تو آپ نے ارضِ مقدس کے اندر اور باہر رومی سلطنت کے مختلف مقامات میں یہود اور غیر یہود دونوں کو انجیل کا پیغام سنایا اور اپنی شہادت کے وقت تک بتیس (۳۲) سال محنتِ شاقہ (سخت محنت) کر کے جابجا کلیسیائیں قائم کر دیں۔ جن کو آپ نے وقتاً فوقتاً یونانی زبان میں خطوط بھی لکھے جو انجیل کے مجموعہ میں اب تک محفوظ ہیں۔ دوازدہ رسولوں اور سینکڑوں مسیحی مبلغوں کی تبلیغی مساعی کا یہ نتیجہ ہوا کہ سیدنا مسیح کی وفات کے پینتیس (۳۵) سال بعد جب رومی قیصر نیرو نے (۶۴ء) میں مسیحیوں کو ایذائیں پہنچائیں تو اُس وقت تک لوگ لاکھوں کی تعداد میں مسیحی ہو گئے تھے اور رومی سلطنت کے کونہ کونہ میں پائے جاتے تھے۔

(۳)

ان مسیحی کلیسیاؤں کو اس بات کی از حد ضرورت تھی کہ وہ اپنے آقا و مولا کی تعلیم اور واقعات زندگی سے واقف ہوں۔ چنانچہ بہت لوگوں نے آنخداوند کے واقعاتِ زندگی اور پیغامات کو جمع کیا تاکہ ان کلیسیاؤں کی روحانی ضروریات کو پورا کریں۔ چنانچہ مقدس لوقا ہم کو بتلاتا ہے کہ "بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں اُن کو ترتیب وار بیان کریں جیسا کہ اُنہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ہم تک پہنچایا" (لوقا ۱: ۱، ۲)۔ ابتدا میں زیادہ تر وہ لوگ مسیحی کلیسیا میں داخل ہوئے تھے جو اہل یہود میں سے تھے۔ کیونکہ اولین مبلغین خود یہودی تھے اور یہ ایک فطرتی بات تھی کہ وہ اپنے آقا کے فرمان کے بموجب پہلے اپنے لوگوں کو یہودی کتبِ مقدسہ کی مسیح کی آمد، تعلیم، صلیبی موت کی ضرورت اور مسیح کی معنی خیز قیامت کی بشارت دیتے (لوقا ۲۴: ۴۴۔ ۴۸ و اعمال ۲: ۲۲۔ ۳۶، ۲۶: ۲۲۔ ۲۳ وغیرہ)۔ ان ایمانداروں کی زبان ارامی تھی جس میں حضرت کلمۃ اللہ نے تعلیم بھی دی تھی اور جس میں حضرت متی نے آپ کے کلمات جمع کر رکھے تھے۔ علاوہ ازیں ارامی ایک ادبی زبان تھی۔ جس میں ہر قسم کا لٹریچر اور خاص کر یہودی کا مذہبی لٹریچر "ترجم" موجود تھا۔ یہ زبان کئی وجوہ (وجہ کی جمع) سے ادبی زبان ہونے کی صلاحیت بھی رکھتی

تھی۔ کیونکہ اس کی لغت کے الفاظ نہایت وسیع تھے اوراُس نے بہت سی غیر زبانوں کے الفاظ اپنے اندر جذب کررکھے تھے۔ بقول فاضل نولدیکی(Noldeki[1])

"اس کی گرامیر پیچیدہ نہ تھی۔اس کے صرف ونحو کے قواعد آسان، سادہ، اورواضح تھے۔اس کے فقروں کی ترکیب آزادہ رُو تھی،اور یہ امور قدرتی طورپر صاف سلیس نثر لکھنے میں ممد ومعاون تھے"۔

علاوہ ازیں ارامی زبان جاننے والے مسافر کو بحر اسود سے بالائی مصر تک اور ہندوستان کی حدود سے ایجین کے کناروں تک کسی قسم کی دقت پیش نہ آتی تھی۔ پس یہ زبان اس خاص وقت میں انجیل کے پیغام کے لئے نہایت موزوں تھی اورانجیل نویسوں نے اس میں پہلے پہل اپنے آنخداوند کی تعلیم اور واقعاتِ زندگی کو قلمبند کیا کہ نومرید مسیحی اپنے مذہب کے اصول اور بانی کی زندگی سے کماحقہ واقف ہوسکیں۔

اناجیلِ اربعہ کی تاریخ تصنیف:

(۱)

ہم نے چاروں انجیلوں کی ادبی اصول تنقید کے مطابق جانچ پڑتال کرکے دیکھا ہے کہ وہ سب کی سب سیدنا مسیح کی وفات کے بعد قریباً دس اور پچیس سال کے درمیانی عرصہ میں لکھی گئیں جب ابھی سیدنا مسیح کے ہمعصر اور چشم دید گواہ زندہ موجود تھے۔ان میں سے دو انجیلوں کو حضرت کلمۃ اللہ کے رسولوں نے خود لکھا۔ایک انجیل کو لکھوایااور چوتھے انجیل نویس نے بڑی کاوش اور جانفشانی کے ساتھ تمام امور کو چشمدید گواہوں اور سولوں سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرکے لکھا۔ یہ اناجیل پہلی صدی کے نصف میں ارامی زبان میں لکھی گئیں اور سب کی سب اُن نومریدوں کے لئے لکھی گئیں جو یہودیت سے مشرف بہ مسیحیت ہوئے تھے۔ان چاروں انجیلوں میں ایک بھی ایسی نہیں جواُن حالات کی فضا میں سانس نہ لیتی ہو جو ارضِ مقدس میں پہلی صدی کے پہلے نصف میں موجود تھے۔ یہ حالات بہت جلدی تبدیل ہوگئے۔ کیونکہ اہل یہود کے رومی سلطنت کے ساتھ جو تعلقات تھے وہ پہلے نصف کے بعد جو جلد بگڑ گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طیطس نے ۷۰ء میں یروشلیم کا محاصرہ کرکے اس کو سر کرلیا۔اس کی عظیم الشان ہیکل کو جو صرف(۵)سال پہلے مکمل ہوئی تھی برباد کردیا۔یہود یا قتل ہوگئے یا بھاگ گئے کراطراف وجوانب کے ممالک میں پراگندہ ہوگئے۔ان حالات کا عکس اناجیل اربعہ میں ہم کو کہیں نہیں ملتا۔اُن میں ہیکل کی تباہی کا ذکر نہیں پایاجاتا۔ یروشلیم کی بربادی کا پتہ نہیں چلتا۔ان میں اہل یہود کی پراگندگی اور خستہ حالی کا کہیں بیان نہیں ملتا۔ حالانکہ یہ تینوں باتیں ایسی تھیں جنکی سیدنا مسیح نے پیشینگوئی کی تھی اور یہ دلیل کلیسیا کے ہاتھوں میں ایک زبردست حربہ ہوتی۔ بالخصوص حضرت متی اس دلیل کا(متی ۲۴: ۲۵) کے لکھنے کے وقت ضرور فائدہ اٹھاتے۔ لیکن اناجیل اربعہ میں اس قسم کی دلیل کا اشارہ تک نہیں ملتا۔ یہ معنی خیز خاموشی،اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اناجیل اربعہ سب کی سب پہلی صدی کے پہلے نصف کی تصنیفات[2] ہیں۔

[1] https://en.wikipedia.org/wiki/Theodor_N%C3%B6ldeke
[2] See Also Allen, St Mark (Oxford Church Biblical Commentary) P.3

(۲)

علاوہ ازیں تمام اناجیل اربعہ کی اصل مخاطب خدا کی برگزیدہ قوم اہل یہود ہے۔ اگرچہ غیر یہود کا کہیں کہیں ذکر ہے اور ان کا خدا کی بادشاہی میں شامل ہونے کی خبر بھی چاروں انجیلوں میں ہے لیکن ان میں کسی جگہ اس بات کا اشارہ تک موجود نہیں کہ مسیحیت کا مرکزِ ثقل ارضِ مقدس سے ہٹ کر غیر یہودی ممالک کی طرف منتقل ہو گیا ہے (متی ۱۰: ۶، ۲۳؛ مرقس ۷: ۲۷؛ لوقا ۱۹: ۹؛ ۲۲: ۳۰؛ ۲۴: ۴۷؛ یوحنا ۴: ۴۲ وغیرہ) حالانکہ پہلی صدی کے نصف کے بعد اور بالخصوص (۷۰ء) کے بعد یہ حالات رونما ہو گئے تھے۔ اگر یہ حالات انجیل چہارم کی تصنیف سے پہلے کے ہوتے تو مقدس یوحنا بارھویں باب میں ان سے ضرور فائدہ اٹھاتے اور موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ لیکن چاروں انجیلوں میں مسیحیت کا مرکز ارضِ مقدس ہے۔ چاروں انجیلوں میں غیر یہود نو مریدوں کی خاطر یہودی الفاظ، رسوم، اور دستورات کی تشریح کی گئی ہے۔ (مرقس ۵: ۴؛ ۷: ۳، ۳۴؛ یوحنا ۱۹: ۳ وغیرہ)۔ کیونکہ غیر یہود بھی پہلی صدی کے پہلے نصف میں مسیحی ہو گئے تھے۔ چاروں انجیلوں کا بنیادی مقصد ایک ہی ہے۔ وہ سب کی سب یہ ثابت کرتی ہیں کہ سیدنا عیسیٰ ہی مسیحِ موعود ہے۔ جس کی خبر تورات، زبور، صحائف انبیاء میں دی گئی ہے اور کہ مسیح موعود کی برکات عالمگیر ہوں گی، جن میں مشرق و مغرب کی اقوام مستقبل زمانہ میں برابر طور پر شریک ہوں گی۔ لیکن ابھی یہ اقوام کلیسیا میں بڑی تعداد میں شامل نہیں ہوئیں۔ ابھی تک مسیحیت کا مرکزِ ثقل ارضِ مقدس اور یروشلیم ہی ہے۔ اناجیل میں جس کلیسیا کی تصویر ہم کو نظر آتی ہے وہ ابھی تک شمار، عقائد اور تنظیم کے لحاظ سے اُسی منزل پر ہے جس کا اعمال الرسل کے ابتدائی ابواب میں ذکر ہے۔ جن کا تعلق پہلی صدی کے پہلے نصف کے اوائل زمانہ کے ساتھ ہے۔

فصل سوئم

اناجیلِ اربعہ کے یونانی ترجمہ کا زمانہ

(۱)

سطورِ بالا میں ہم بتلا چکے ہیں کہ پہلی صدی مسیحی میں ارضِ مقدس کے یہودی کی مادری زبان ارامی تھی اور حضرت کلمۃ اللہ اسی زبان میں تعلیم بھی دیا کرتے تھے (اعمال ۱: ۱۹؛ ۲۶: ۱۴؛ ۲۱: ۴؛ ۲۲: ۲ وغیرہ) لیکن اہلِ یہود میں مسیح سے کئی صدیاں قبل ایک ترقی پسند فرقہ پیدا ہو گیا تھا جو یونانیت کا عاشق تھا۔ ہیرودیس اعظم کے زمانہ میں اس گروہ کو بہت فروغ حاصل ہو گیا تھا۔ حکام وقت یونانیت کے رنگ میں رنگے تھے۔ اور یونانی علم و تہذیب کی اشاعت میں ہر دم کوشاں رہتے تھے۔ جو یہودی کنعان سے باہر رہتے تھے اُن کی خاطر یہودی کتب سماوی (آسمانی کتاب) کا ترجمہ یونانی میں ہو گیا تھا۔ کیونکہ ان ممالک کے یہودیوں کی زبان یونانی تھی سیدنا مسیح کے صعودِ آسمانی کے دس دن بعد ان یہود میں سے جو پارتھی، عیلامی، مسوپوتامیہ، کپدکیہ، پنطس، آسیہ، فروگیہ، پمفولیہ، مصر، روم، کریت، عرب وغیرہ ممالک میں رہتے تھے۔ تین ہزار کے قریب مسیحی جماعت میں شامل ہو گئے تھے (اعمال ۲: ۹۔ ۴۱) یہ سب کے سب یونانی بولنے والے تھے۔ آنخداوند کی وفات کے بیس سال کے اندر غیر یہود ہزاروں کی تعداد میں، مسیحی کلیسیا میں شامل ہو گئے تھے۔ جہاں خاص یروشلیم میں پہلی صدی کے پہلے نصف میں "یہودیوں میں سے ہزارہا آدمی ایمان لے آئے تھے" (اعمال ۲۱: ۲۰)۔ وہاں اس عرصہ میں غیر یہود نومرید سلطنت روم کے ہر ملک میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہو گئے تھے اور روزانہ شمار میں ترقی کر رہے تھے۔ پس اس بات کی ضرورت لاحق ہوئی کہ ان غیر یہود نومریدوں کی خاطر یونانی زبان میں آنخداوند کے کلمات اور سوانح حیات ترجمہ کئے جائیں۔

چنانچہ سب سے پہلے حضرت کلمۃ اللہ کے اُن اقوال اور کلمات کا ترجمہ کیا گیا جو حضرت متی نے ارامی زبان میں جمع کئے تھے۔ چند سال ہوئے محکمہ آثارِ قدیمہ کو ملک مصر سے اس کتاب کا ایک قدیم یونانی نسخہ دستیاب ہوا۔ جب حضرت مرقس نے ارامی انجیل لکھی تو اُس کا بھی ترجمہ یونانی میں ہو گیا۔ اس ترجمہ کی بہت سی نقلیں مختلف ممالک کو بھیجی گئیں۔ یہ ترجمے یونانی بولنے والے مسیحیوں میں ہر جگہ رواج پا کر اس قدر مقبول عام ہو گئے کہ جب حضرت متی کی انجیل کا ترجمہ کیا گیا اور حضرت لوقا نے ارامی ماخذوں کا ترجمہ کر کے اپنی انجیل یونانی زبان میں لکھی تو ان انجیلوں کے مترجموں نے اُن عبارتوں کا جو مرقس کی انجیل سے اور کلمات" سے لفظ بلفظ نقل کی گئی تھیں، نیا یونانی ترجمہ نہ کیا بلکہ وہی ترجمہ نقل کر دیا جو اُن میں موجود تھا۔ چنانچہ جب ہم ان تینوں انجیلوں کے الفاظ کا مقابلہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت نظر آجاتی ہے کہ جہاں یہ تینوں یونانی اناجیل کسی مقام پر متفق ہیں، ان تینوں کے الفاظ ایک ہی ہیں۔ اسی طرح مقدس یوحنا کی انجیل کا بھی یونانی زبان میں ترجمہ ہو گیا اور وہ ترجمہ ہوتے ہی مقبولِ عام ہو گئی۔

(۲)

ہم اُوپر ذکر کر آئے ہیں کہ پہلی صدی کے نصف کے بعد ارضِ مقدس کے سیاسی حالات دگرگوں ہوگئے۔ یروشلیم برباد ہوگیا۔ ہیکل مسمار ہوکر شہید کی گئی۔ اہلِ یہود یا مقتول ہوگئے یا روئے زمین پر ابتری کی حالت میں پراگندہ ہوگئے۔ ان حالات کی وجہ سے یہودی مسیحی بھی مختلف ممالک میں نقل مکانی کر گئے۔ اب ہر ملک کی کلیسیا کی بڑی اکثریت غیر یہود پر مشتمل ہوگئی۔ ان باتوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ارامی زبان کی رونق پر پانی پھر گیا۔ رفتہ رفتہ دوسری صدی میں ارامی اناجیلِ اربعہ کی نقلیں ہونا بند ہوگئیں اور مختلف دیار وامصار (مصر کی جمع، بہت سے شہر) میں ان کی معدودے چند (گنتی میں تھوڑے) کاپیاں باقی رہ گئیں جو امتدادِ زمانہ (لمبی مدت) کے ہاتھوں نہ بچ سکیں۔ ممکن ہے کہ محکمہ آثارِ قدیمہ کو مستقبل کے زمانہ میں یہ کاپیاں ہاتھ آجائیں۔ دوسری صدی کے آخر میں ارامی زبان کے یہ نسخے ایسے نایاب ہوگئے تھے کہ جیسا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ جب (۱۹۰ء) میں سکندریہ کا پینٹینس ہندوستان سے واپس گیا تو وہ ایک ارامی نسخہ تبرکاً اپنے ہمراہ لے گیا۔

اب ارامی اصل کی بجائے ان اناجیل اربعہ کے یونانی ترجمے ہر جگہ نقل ہوکر اشاعت پاگئے اور اکنافِ عالم (چاروں سمت) میں پھیل گئے۔ جن ممالک میں یونانی زبان ان اوائل صدیوں میں رائج نہ تھی ان میں یونانی متن کا ترجمہ کیا گیا۔ چنانچہ تین سو سال کے اندر یونانی اناجیلِ اربعہ کا ترجمہ شامی، آرمینی، حبشی، قبطی، لاطینی وغیرہ زبانوں میں ہوگیا اور ان ترجموں کے نسخے ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوگئے۔ خدا کی شان ہے کہ وہ زمانہ تھا جب ارامی زبان کا ہر جگہ بول بالا تھا اور اب یہ زمانہ آگیا ہے جب لوگ یہ بھی بھول گئے کہ اناجیل ارامی زبان میں لکھی اور یونانی میں ترجمہ کی گئی تھیں!

(۳)

یہ ایک تواریخی حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں جو مصنف اپنے خیالات کو اقوامِ عالم تک پہنچانا چاہتا تھا اس کے لئے یہ لازم ہوگیا تھا کہ وہ اُن کو یونانی زبان میں ملبوس کرے۔ مثال کے طور پر یہودی مورخ یوسیفس کو لے لو۔ یہ شخص ارضِ مقدس کا رہنے والا اور کاہنوں کے ایک مشہور خاندان کا چشم وچراغ تھا۔ اُس نے فریسیوں، صدوقیوں اور ایسنیوں سے تعلیم حاصل کی تھی۔ پر وہ یونانیت کا بڑا حامی تھا۔ اُس نے اپنی کتاب "تاریخِ جنگ یہود" ارامی زبان میں پار تھی، بابل، عرب اور مسوپوٹامیہ کے یہودیوں کی خاطر لکھی۔ لیکن یونانی زبان بولنے والے ملکوں اور لوگوں کی خاطر اس کو یہ کتاب یونانی میں ترجمہ کرنا پڑی۔ وہ کہتا ہے کہ اسے اپنی کتاب "انٹی کیٹیز" (Antiquities) کو لکھنے کے لئے یونانی میں مہارت حاصل کرنے کیلئے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

> "ہمیں اپنی یہودی تاریخ کو ایک غیر زبان میں جس سے ہم مانوس نہیں، ترجمہ کرنا سخت گراں معلوم ہوتا ہے۔ میں نے بڑی ہمت اور استقلال سے کام لے کر اس کتاب کو ختم کیا ہے۔ جس کو کوئی دوسرا شخص، یہودی یا غیر یہودی اس خوبی سے نہ نباہ سکتا۔ میں نے از حد کوشش کی کہ یونانی زبان کا علم کماحقہ حاصل کروں۔ پس میں نے یونانی صرف ونحو میں بہت مشق کی۔ اگرچہ میری ذاتی عادات اور قومی حالات اس زبان پر حاوی ہونے میں سدِ راہ تھے"۔

تاہم اس کی یونانی ایسی رواں اور سلیس ہے کہ وہ ترجمہ معلوم نہیں دیتی۔

(۴)

یہ حقیقت قابل غور ہے کہ اگر ارامی اناجیل اربعہ کا ترجمہ ارضِ مقدس کی بربادی سے قبل یونانی زبان میں نہ کیا جاتا تو مسیحیت کی اشاعت کنعان کی حدود سے آگے نہ بڑھتی اور وہ یہودی مسیحیوں تک ہی محدود رہ کر ان کی پراگندگی کے ساتھ ساتھ مختلف ممالک میں اقلیت ہونے کی وجہ سے یا تو ختم ہو جاتی اور یا سسک سسک کر زندہ رہتی۔ لیکن چونکہ اناجیلِ اربعہ کا یونانی جیسی بین الاقوامی زبان میں مستند ترجمہ ہو گیا تھا، جو اب مشرق و مغرب کی مہذب اقوام کی زبان تھی، لہذا مسیحیت کو عروج حاصل ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ پہلی تین صدیوں کے اندر رومی شہنشاہ قسطنطین اعظم کے مسیحی ہونے سے پہلے رومی قیاصرہ کی پے در پے اور مسلسل ایذا رسانیوں کے باوجود روئے زمین پر کوئی ملک اور شہر ایسا نہ تھا جس میں کلیسیا کے پاس انجیل نہ تھی یا جس کی زبان میں یونانی انجیل کا ترجمہ موجود نہ تھا۔

یونانی ترجمہ کی زبان:

اناجیل کے ترجمہ کی زبان وہ ٹکسالی یونانی نہیں جو افلاطون، ارسطو اور دیگر یونانی فلاسفہ اور ادب کے مسلم الثبوت اُستادوں کی زبان ہے بلکہ اس ترجمہ کے یونانی الفاظ اُس یونانی کے ہیں جو کوئنی (Koine) کہلاتی ہے۔ یعنی وہ یونانی جو مسیح سے چار صدیاں بعد یونان کے باہر اُن ممالک میں بولی جاتی تھی جو سکندر اعظم کی فتوحات اور ٹولومیوں اور سلوکیوں کی بادشاہیوں کی وجہ سے یونان اور یونانیت نے تسخیر کر لئے تھے۔ محکمہ آثار قدیمہ کی متواتر کوششوں کی طفیل (۱۸۹۰ء اور ۱۹۰۷ء) کے درمیان آٹھ صدیوں کے نسخے، کتبے، پتھر، دھاتیں اور مٹی کے برتن وغیرہ دستیاب ہوئے ہیں جن سے اس "کوئنی" زبان کا پتہ چلتا ہے جو سلطنت روم میں بھی پہلی صدی میں مروج تھی اور جس میں اناجیل اربعہ کا ترجمہ کیا گیا۔ ان قدیم کاغذات کو پیپائرس (Papyrus) کہتے ہیں۔ جس سے انگریزی لفظ پیپر بمعنی کاغذ نکلا ہے۔ یہ کاغذ پیپائرس کے پودے کے گودے سے بنا ہوتا تھا۔ اور باریک ہونے کے باوجود "اہرام مصر سے زیادہ پائیدار تھا"۔ جس کو صرف پانی اور سیلاپن ہی خراب کر سکتے تھے۔ لیکن مصر کی خشک آب وہوا سے یہ کاغذات صدیوں تک زیر زمین محفوظ رہے۔ ان قدیم کاغذات کی یونانی وہ تھی جو عام طور پر ان آٹھ صدیوں میں یونانی اور رومی سلطنتوں کے ممالکِ محروسہ (ماتحت کیا گیا) میں بولی جاتی تھی۔ یونانی ادیبوں کی ٹکسالی زبان کے مقابلہ میں "کوئنی" گنواری یونانی تھی۔ ان دونوں میں ویسا ہی فرق پایا جاتا ہے جو کسی مسلم الثبوت دہلوی یا لکھنوی ادیب کی تحریر اور کسی معمولی لکھے پڑھے پنجابی کی اُردو تحریر میں پایا جاتا ہے۔

ان قدیم نسخوں سے علماء اور نقاد کو انجیل کے مجموعہ کتب کے الفاظ اور محاورات کے اصل معنی اور مطلب معلوم کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے، مثلاً اُن کاغذات کے دستیاب ہونے سے پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ انجیل متی میں لفظ "کلیسیا" (متی ۱۶: ۱۸؛ ۱۸: ۱۷) سے مسیحی جماعت کی وہ منزل مراد ہے جب اُس نے دوسری صدی میں ترقی کر کے باقاعدہ طور پر منظم صورت اختیار کر لی تھی۔ لیکن ان قدیم کتبوں میں ایک کتبہ ملا ہے جس کی

تاریخ(۱۰۳ء) کی ہے۔ جس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ لفظ ہر قسم کی جماعت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا خواہ وہ منظم ہو یا غیر منظم۔ ان قدیم کاغذات کے ذریعے ہم یہودی صحفِ سماوی (آسمانی صحائف) کے یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ (ترجمہ سبعینیہ) کے الفاظ کے مفہوم کو بھی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں کیونکہ یہ ترجمہ بھی انہی صدیوں کے دوران میں ہوا تھا۔

اناجیل اربعہ کے یونانی ترجمہ کی خصوصیت:

(۱)

جب ہم یونانی ترجمہ اناجیل کی چھان بین کرتے ہیں تو ہم کو یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ اگرچہ ان کے مترجم قادرالکلام ادیب ہیں اور یونانی زبان کی لغت اور الفاظ اور گرامر پر حاوی ہیں اور مترادف الفاظ یونانی کے باریک فرق اور امتیاز سے کماحقہ واقف ہیں اور ان کا محلِ استعمال بھی جانتے ہیں اور ارامی کا ترجمہ عام فہم سلیس یونانی الفاظ میں بھی کرتے ہیں۔ تاہم اُن کے یونانی فقروں کی ساخت اور عبارت کی ترکیب بھدی (بدصورت) ہے اور وہ نہیں جو عام طور پر اُس وقت لکھی یا بولی جاتی تھی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جب ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے تو الفاظ و محاورات وغیرہ کے نازک معانی اور مطلب کو ادا کرنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے۔ لیکن یہ چاروں مترجم ارامی الفاظ و محاورات اور یونانی زبان دونوں پر قادر ہیں اور صرف وہی عام الفاظ استعمال کرتے ہیں جو موزوں اور درست ہیں۔ کیونکہ یونانی اُن کی مادری زبان ہے لیکن اس پر بھی اناجیل اربعہ کی عبارت بھدی۔ بے ڈول اور بے ڈھنگی ہے۔

(۲)

یہی حال عہدِ عتیق کے یونانی ترجمہ سیپٹواجنٹ کا ہے جو علم و فضل کے مرکز شہر سکندریہ میں کیا گیا تھا۔ اس کے مترجمین کی بھی مادری زبان یونانی تھی اور وہ عبرانی اور یونانی دونوں زبانوں کے ماہر عالم تھے لیکن پھر بھی جس طرح اناجیل اربعہ کے یونانی فقروں کی ساخت بھدی ہے اُسی طرح سیپٹواجنٹ کی عبارت بھی بے ڈھنگی ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ صحفِ عتیق اور اناجیل اربعہ دونوں کے ترجموں میں اصل الفاظ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہم پر ظاہر ہو جاتی ہے جب ہم عہد عتیق کی کتب کے عبرانی متن کا سیپٹواجنٹ کے یونانی متن سے مقابلہ کرتے ہیں۔ ان کتب کے مترجمین عبرانی کتب سماوی کے ایک ایک لفظ کو الہامی مانتے تھے لہذا اُنہوں نے عبرانی عبارت کا نہایت کاوش اور جاں فشانی کے ساتھ لفظی ترجمہ کیا اور اس بات کا خاص خیال رکھا کہ ایسے عام فہم یونانی لفظ مہیا کئے جائیں جو عبرانی لفظ کے مفہوم کو عین درست طور پر ادا کر سکیں خواہ ایسا کرنے میں یونانی عبارت بے ڈول ہی معلوم دے۔ مثلاً مشتے نمونہ از خروارے (بڑے ڈھیر میں سے مٹھی بھر)۔ (گنتی ۹:۱۰) کا اُردو ترجمہ یہ ہے۔ اگر تم میں سے کوئی آدمی کہیں دُور سفر میں ہو تو بھی وہ خداوند کے لئے عید فسح کرے"۔ اُردو میں عبرانی لفظ "ایش" کا ترجمہ "کوئی آدمی" کیا گیا ہے۔ لیکن عبرانی محاورہ کے مطابق جب مرادِ ہر آدمی یعنی ایک ایک فرد سے ہو تب

یہ مفہوم لفظ "ایش" کو دوبارہ لکھنے سے ادا ہوتا ہے۔ یعنی "ایش ایش"۔ پس عبرانی متن میں اس آیت میں آیا ہے "ایش ایش" سیپٹواجنٹ کے مترجمن نے اُردو مترجمین کی طرح نہیں کیا بلکہ عبرانی کا لفظی ترجمہ کر کے یونانی میں "این تھروس۔ این تھروس "یعنی "آدمی آدمی" کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ یونانی زبان کے محاورہ اور قواعد کے سراسر خلاف ہے۔ کوئی سلیم العقل (دانا) شخص یہ خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا کہ اس قسم کی یونانی سکندریہ جیسے دارالعلوم میں لکھی یا بولی جاتی تھی۔ لیکن ان مترجمین کو یہ احساس تھا کہ وہ ایک الہامی کتاب کے الہامی الفاظ کا ترجمہ کر رہے ہیں۔ پس اُنہوں نے یونانی محاورہ کی طرف سے لاپرواہ ہو کر ایسا ترجمہ کیا جو لفظی تھا اور یوں اصل عبرانی متن کے ایک ایک لفظ کو ترجمہ کرتے وقت ملحوظ خاطر رکھا۔

اناجیل اربعہ کے مترجمین کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ وہ کسی معمولی قسم کی کتابوں کا ترجمہ نہیں کرتے۔ ان کا یہ ایمان تھا کہ وہ ایسی کتابوں کا ترجمہ کرتے ہیں جن میں اُن کی نجات کے بانی کو اپنی زبان کے الفاظ اور واقعاتِ زندگی اور موت محفوظ ہیں۔ ان کے نزدیک یہ کتابیں مقدس کتابیں تھیں اور یہودی صحفِ سماوی سے کئی گنا زیادہ قابل سند تھیں (متی ۱۲: ۶، ۴۱، ۴۲؛ یوحنا ۱: ۱۔ ۱۸؛ عبرانیوں ۱: ۱۔ ۲؛ ۲۔ پطرس ۱: ۲۰۔ ۲۱؛ ۳: ۲، ۱۵ وغیرہ) پس اُنہوں نے سیپٹواجنٹ کے مترجمین کا نمونہ اختیار کیا۔ اُنہوں نے یونانی زبان کے محاورہ، گرامر اور فقروں کی ساخت اور ترکیب کے قواعد و بالائے طاق رکھ دیا اور سخت پابندی کے ساتھ اصل ارامی کا موزوں عام فہم یونانی الفاظ میں ترجمہ کر دیا۔ اس یونانی ترجمہ کی عبارت اہل قلم ادیبوں کی نظروں میں بھدی اور بے ڈول ہے۔ کوئی یونانی ادیب اس قسم کی عبارت نہیں لکھ سکتا تھا جس کے الفاظ تو عام فہم ہوں لیکن فقرے یونانی محاورات اور اصولِ گرامر کی طرف سے بے نیاز ہوں۔ لیکن اس قسم کا ترجمہ اناجیلِ اربعہ کے چاروں مترجموں کے مقصد کو کماحقہ (جیسا اس کا حق ہے) پورا کرتا تھا۔

(۳)

اس بات کو ہم شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے قرآنی ترجموں کی مثال سے کچھ کچھ سمجھ سکتے ہیں۔ اگرچہ ارامی اور یونانی، عربی اور اُردو زبانوں کے قواعد گرامر اور انشاء پردازی میں بڑا فرق ہے۔ شاہ رفیع الدین (سورہ بقرہ) کی ابتدائی آیات کا تحت اللفظی ترجمہ یوں کرتے ہیں "یہ کتاب نہیں شک بیچ اس کے راہ دکھاتی ہے۔ واسطے پرہیزگاروں کے وہ جو ایمان لاتے ہیں ساتھ غیب کے اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور اس چیز سے کہ دی ہے ہم نے اُن کو خرچ کرتے ہیں اور جو لوگ کہ ایمان لاتے ہیں ساتھ اس چیز سے کہ اتاری گئی ہے طرف تیری اور جو کچھ اُتاری ہے پہلے تجھ سے اور ساتھ آخرت کے وہ یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اوپر ہدایت کے ہیں پروردگار اپنے سے اور یہ لوگ وہی ہیں چھٹکارا پانے والے" وغیرہ وغیرہ۔ شاہ صاحب مرحوم دہلوی تھے۔ ٹکسالی اُردو بولنے تھے۔ اُردو اور عربی دونوں زبانوں پر حاوی تھے۔ کوئی واقف کار شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن کے زمانے میں اس قسم کی "گلابی اردو" لکھی یا بولی جاتی تھی لیکن وہ ایک ایسی کتاب کا تحت اللفظی ترجمہ کر رہے تھے جس کے ایک ایک لفظ کو وہ اللہ سے منسوب کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب الفاظ عام فہم ہیں۔ اور گو مترجم ایک عالم شخص ہے لیکن فقروں کی ترکیب اور ساخت اور اُردو انشاپردازی کی طرف سے لاپرواہ ہے۔ اگرچہ اناجیل اربعہ کا یونانی ترجمہ اس قسم "کی گلابی" یونانی کا ساتحت اللفظی ترجمہ نہیں ہے تاہم اس مثال سے ہم کو

مترجمین کے خیالات اور نکتہ نگاہ کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اناجیلِ اربعہ کے یونانی مترجم بھی ایسی ہی ذہنیت کے مالک تھے۔ اُنہوں نے یونانی قواعد انشاپردازی کو پسِ پشت پھینک دیا اور اصل ارامی متن کا عام فہم یونانی فقروں میں ارامی الفاظ کا ترجمہ کر دیا۔

اناجیلِ اربعہ کے متن کی صحت:

(۱)

اس "غلامانہ" لفظی ترجمہ سے دو فائدے ضرور ہوئے۔ اول۔ چونکہ یہ مترجمین ارامی اور یونانی دونوں زبانوں میں مہارت نامہ رکھتے تھے انہوں نے لفظی ترجمہ کرتے وقت اس بات کا سخت پابندی کے ساتھ خاص خیال رکھا کہ یونانی کے صرف وہی الفاظ استعمال کئے جائیں جو ارامی الفاظ کے مفہوم کو کماحقہ بطرز احسن ٹھیک اور درست طور پر ادا کر سکیں۔ ترجمہ کرتے وقت اُنہوں نے الفاظ کے نازک فرق کو اور مترادف الفاظ کے باریک امتیازات کو ملحوظِ خاطر رکھا۔ پس اُن کے یونانی الفاظ نہایت صحت کے ساتھ ارامی اصل مطالب کو ادا کرتے ہیں اور ہم اس بیسویں صدی کے درمیان اصل ارامی متن کو جان سکتے ہیں اور معلوم کر سکتے ہیں کہ پہلی صدی کے اوائل میں حضرت کلمۃ اللہ نے کیا کہا تھا اور کیا کیا تھا۔ پس یہ لفظی یونانی ترجمہ اصل ارامی متن کی صحت کا زندہ جیتا جاگتا ضامن ہے۔ جس طرح ترجمہ سیپٹواجنٹ عہدِ عتیق کے عبرانی متن کا محافظ ہے۔

(۲)

اناجیلِ اربعہ کے ان مترجمین کی فاضلانہ کوششوں کی طفیل ہمارے زمانہ کے نقاد اور محقق آج اس قابل ہیں کہ موجودہ یونانی اناجیل کے متن کے الفاظ کے ذریعہ وہ اُن اصل ارامی الفاظ کو معلوم کر سکیں، جن کا وہ لفظی ترجم ہیں۔ چنانچہ ہمارے زمانہ کے بعض علماء نے جو ارامی اور یونانی دونوں زبانوں کے ماہر ہیں اناجیلِ اربعہ کے یونانی الفاظ کا پھر دوبارہ ارامی زبان میں لفظی ترجمہ کر کے اصل ارامی اناجیل کے متن کا پتہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ ایسا ایک ترجمہ اس وقت میری میز پر رکھا ہے۔ جس کا مترجم امریکہ کا مشہور فاضل پروفیسر ٹوری (Prof Torrey) ہے۔

انجیل کے مجموعہ کے باقی رسائل:

پہلی صدی کے نصف کے بعد دوازدہ رسل کی کوششوں کی طفیل اور صدہا مسیحی مبلغین کی مساعی جمیلہ کی بدولت غیر یہود کثرت سے کلیسیا میں شامل ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسولوں اور مبلغوں نے جو خطوط مختلف کلیسیاؤں کو پہلی صدی کے نصف حصہ کے بعد لکھے وہ اُن کو یونانی زبان میں لکھنے پڑے۔ ان خطوط میں تیرہ (۱۳) خط مقدس پولوس نے لکھے۔ دو مقدس پطرس نے لکھے۔ تین مقدس یوحنا نے لکھے۔ ایک خط حضرت کلمۃ اللہ کے بھائی حضرت یعقوب نے لکھا۔ یہ تمام خطوط اور رسائل ابتدا ہی سے یونانی زبان میں لکھے گئے اور اب تک انجیل کے مجموعہ میں محفوظ ہیں۔

حصّہ دوم

تمہید

ہم نے پہلے حصہ میں شرح اور بسط کے ساتھ ڈاکٹر ٹوری کے نظریہ کو بیان کیا ہے کہ اناجیلِ اربعہ پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئیں اور بعد میں ان ارامی انجیلوں کا یونانی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اس نظریہ کی تائید میں اس جیّد عالم نے اناجیل کا نیا ترجمہ اور ایک مشرح کتاب اور متعدد مضامین شائع کئے ہیں[1]۔

چند دیگر علماء بھی ڈاکٹر ٹوری کے ہمنوا ہو کر یہی کہتے ہیں کہ اناجیل اوّل اوّل ارامی زبان میں لکھی گئیں اور یہ ایک قدرتی بات معلوم دیتی ہے کہ کیونکہ سیدنا عیسیٰ مسیح کی اور آپ کے بارہ رسولوں کی مادری زبان ارامی تھی اور اولین نومرید ارامی بولنے والے یہودی تھے۔ جن کی خاطر یہ اناجیل احاطہ تحریر میں آئیں۔ چنانچہ آرچڈیکن ایلن (Allen) انجیل دوئم کی نسبت لکھتے ہیں کہ

"موجودہ یونانی انجیل اصل ارامی انجیل مرقس کا ترجمہ ہے"[2]۔

پروفیسر برنی نے ایک مبسوط کتاب لکھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ انجیل چہارم پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی جس کا بعد میں یونانی زبان میں ترجمہ کیا گیا[3]۔ اسی قابل مصنف نے ایک اور کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ اناجیلِ اربعہ بالخصوص مقدس متی کی انجیل، عبرانی علم ادب کی صنعتوں سے معمور ہے[4]۔ مشہور نقاد ڈالمین (Dalman) نے اپنی کتاب[5] میں ثابت کیا ہے کہ حضرت کلمۃ اللہ کے کلماتِ طیبات کی اصل زبان ارامی ہے جن کو یونانی لباس پہنایا گیا ہے۔ دیگر علمائے مغرب ڈاکٹر ٹوری اور پروفیسر برنی کی طرح یہ کہنے کو تیار نہیں کہ اناجیل اربعہ اول سے آخر تک تمام کی تمام پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھیں۔ لیکن اِن علماء کی تقریب قریب سب جماعت اس امر پر متفق ہے۔ کہ اناجیل اربعہ کے ماخذ کم و بیش سب کے سب ارامی میں تھے جن کو یونانی لباس پہنایا گیا ہے[6]۔

---

[1] Torrey, The Four Gospels. Also, Our Translated Gospels.
[2] St. Mark Oxford Church Biblical Commentary (Preface and Introduction)
[3] Burney, The Aramaic Origin of the Fourth Gospel Clarendon Press 1922
[4] Burney, The Poetry of Our Lord Oxford 1925
[5] Dalman, The Words of Jesus, T&T Clark, Edinburgh 1902.
[6] Black, Aramaic Approach to the Gospels and Acts,(Clarendon Press 1946)

پروفیسر ٹوری نے اپنی کتابوں میں یہ ثابت کیا ہے کہ یونانی اناجیل اربعہ جن آیات کی ہم کو سمجھ نہیں آتی وہ سب کی سب در حقیقت اصل ارامی متن کا غلط یونانی ترجمہ ہیں۔ان کی سمجھ میں نہ آنے کی وجہ یہی ہے۔ کہ یونانی اناجیل کے مترجموں نے ان آیات کے کسی ارامی لفظ کا صحیح ترجمہ نہیں کیا۔ جس سے اصل مطلب خبط (دیوانگی) ہو گیا ہے۔ پس اس جید عالم نے (جو ارامی اور یونانی دونوں زبانوں کا ماہر ہے) ایسے یونانی الفاظ کا پھر سے ارامی زبان میں دوبارہ ترجمہ کر کے غلطی کھانے کی اصل وجہ دریافت کر کے اس خاص لفظ کی ارامی زبان میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے مترجم کو دھوکا ہوا اور جس کا اُس نے ایسا ترجمہ کر دیا۔ جو اصل ارامی کے مطلب کو ادا نہیں کرتا اور اس غلط ترجمہ کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اس خاص آیت کو سمجھنے میں دِقت پیش آتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ڈاکٹر ٹوری اور پروفیسر برنی کے ثبوت وزن رکھتے ہیں۔ رسالہ اس حصہ سے ناظرین ڈاکٹر موصوف کے نئے ترجمہ کو دیکھ کر خود محسوس کریں گے کہ ان کے خیالات نہایت معقول ہیں۔ اگر صاحب موصوف کی یہ کوشش کامیاب ہو جائے تو ان کا یہ نظریہ پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ یونانی اناجیل اربعہ در حقیقت ارامی اصل متن کا ترجمہ ہیں۔

میں نے ذیل میں اناجیل اربعہ کی صرف تہتر (۷۳) مشکل اور پیچیدہ آیات کا ترجمہ کیا ہے۔ تاکہ جس طرح مجھے ڈاکٹر ٹوری کی کتب کے مطالعہ سے ان آیات کا اصل مطلب سمجھنے میں مدد ملی ہے، اُردو خوان ناظرین کی مشکلات بھی رفع ہو جائیں اور وہ انجیل جلیل کی ان آیات کے اصل مفہوم کو معلوم کر کے انجیل جلیل کے مطالعہ سے مستفید ہو سکیں۔

اناجیلِ اربعہ کی چند آیات کا نیا ترجمہ

(لوقا۱۶:۸تا۹)۔

"اور مالک نے بے ایمان مختار کی تعریف کی اس لئے کہ اُس نے ہوشیاری کی تھی۔ اور میں تم سے کہتا ہوں کہ ناراستی کی دولت سے اپنے لئے دوست پیدا کرو تاکہ جب وہ باقی رہے تو یہ تم کو ہمیشہ کے مسکنوں میں جگہ دیں" (لوقا۱۶:۸تا۹)۔

ان آیات کا موجودہ ترجمہ سیدنا مسیح کی تعلیم کے عین ضد (اُلٹ) ہے۔ کیونکہ ان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک بے ایمان اور خائن (خیانت کرنے والا) مختار کی بددیانتی کو اپنے شاگردوں کے لئے ایک نمونہ بتلاتے ہیں۔ لہذا مفسرین ہر ممکن طور پر کوشش کرتے ہیں کہ ان آیات کی ایسی تاویل کی جائے جو انجیل جلیل کی تعلیم کے مطابق ہو۔ لیکن جہاں تک راقم الحروف کا مطالعہ ہے یہ کوششیں بیکار ثابت ہوئی ہیں۔

پروفیسر ٹوری صاحب کا یہ نظریہ ہے کہ

> "اِن آیات کا یونانی متن ارامی متن کا غلط ترجمہ ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ارامی زبان میں استفہامیہ نشان نہیں پایا جاتا تھا لیکن سیاق وسباق کے ذریعے پڑھنے والے پر ظاہر ہو جاتا تھا کہ فقرہ بیانیہ ہے یا کہ استفہامیہ ہے"۔

روزمرہ کی گفتگو میں بھی ہم کسی استفہامیہ فقرے یا سوال کو لفظ "کیا ہے" سے شروع نہیں کیا کرتے بلکہ بولنے والے کا لہجہ اور اندازِ خطاب ظاہر کر دیتا ہے کہ فقرہ بیانیہ ہے یا استفہامیہ۔ مثلاً جب کوئی کہتا ہے "میں کہتا ہوں۔ پانی پی لو" اس فقرے سے دو باتیں مراد ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ بولنے والے نے حکم یا صلاح دی تھی لیکن اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ "کیا میں کہتا ہوں کہ پانی پی لو؟" اور بولنے والے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں یہ نہیں کہتا۔ اس صورت میں یہ فقرہ بیانیہ ہونے کی بجائے استفہامیہ ہو جاتا ہے۔ جس کا جواب نفی میں ہوتا ہے لیکن یہ بات کہنے والے کے لہجے پر منحصر ہے کہ فقرہ کو بیانیہ سمجھا جائے یا استفہامیہ سمجھا جائے۔

پس جب کلمۃ اللہ نے ارامی زبان میں آیات ۸ اور ۹ کو اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا تو آپ کا درحقیقت یہ کہنے کا منشا تھا"۔ کیا مالک نے بے ایمان مختار کی تعریف کی اس لئے کہ اُس نے ہوشیاری کی تھی؟ (ہرگز نہیں) اور کیا میں تم سے کہتا ہوں کہ ناراستی کی دولت سے اپنے لئے دوست پیدا کرو؟ (ہرگز نہیں"۔

پس اس نظریہ سے یہ ان آیات کا مطلب صاف اور واضح ہو جاتا ہے جو انجیل جلیل کی اخلاقی اور روحانی تعلیم کے عین مطابق بھی ہے۔ اس مقام میں کلمۃ اللہ اپنے شاگردوں کو ایمانداری کا سبق دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ ان امور کا جو اُن کے سپرد کئے گئے ہیں صحیح استعمال کریں۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ

اُن کے غلط استعمال سے وہ اُن کو ہاتھ سے کھو بیٹھیں گے اور اگر وہ اپنی دنیاوی ترقی اور نفس پروری کی خاطر ان کا غلط استعمال کریں گے تو ان کا نقصان کریں گے۔اس سبق کو ذہن نشین کرنے کے لئے کلمۃ اللہ نے حسب عادت ایک تمثیل کے ذریعہ ان کو تعلیم دی جو طنز آمیز ہے۔اور طنزیفانہ پیرائے (رمز کے ساتھ بیان کرنا) میں بیان کی گئی ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ اگر اس جہان کے فرزند ہوشیار اور چالاک ہوں تو وہ اپنی مختاری کو بددیانتی سے اپنی دنیاوی ترقی کا وسیلہ بنالیتے ہیں لیکن نور کے فرزند یہ غلط خیال رکھتے ہیں کہ وہ خدا اور دولت دونوں کی خدمت کر سکتے ہیں۔کیا ان کے دوست جن کو وہ رشوت دیتے ہیں یہ ذمہ لے سکتے ہیں کہ وہ ان کو فردوس میں جگہ دیں گے؟جب دولت جیسی معمولی شے اپنا بُرا اثر چھوڑے بغیر نہیں رہ سکتی اور وہ ناراست دولت کے معاملہ میں دیانت دار نہ ٹھہرے تو کون ہے جو حقیقی دولت کو اُن کے سپرد کردے گا؟پس آیات (لوقا ۸تا۱۳) یوں پڑھی جانی چاہیئں:

(جب بے ایمان مختار نے اپنے مالک کو اس طرح دغادی) تو کیا مالک نے بے ایمان کی تعریف کی ہوگی۔اس لئے کہ اُس نے ہوشیاری کی تھی؟ (کیونکہ اس جہان کے فرزند اپنے ہم جنسوں کے ساتھ معاملات میں نور کے فرزندوں سے زیادہ ہوشیار ہیں)؟(ہر گز نہیں) اور کیا میں تم سے کہتا ہوں کہ ناراستی کی دولت سے اپنے لئے دوست پیدا کروتا کہ جب وہ جاتی رہے تو یہ تم کو ہمیشہ کے لئے مسکنوں میں جگہ دیں؟(ہر گز نہیں)۔جو تھوڑے سے تھوڑے میں دیانت دار ہے وہ بہت میں بھی دیانتدار ہے اور جو تھوڑے سے تھوڑے میں بددیانت ہے وہ بہت میں بھی بددیانت ہے۔پس جب تم ناراست دولت میں دیانت دار نہ ٹھہرے تو حقیقی دولت کون تمہارے سپرد کرے گا؟اور اگر تم بیگانے مال میں دیانتدار نہ ٹھہرے تو جو تمہارا اپنا ہے اسے کون تمہیں دے گا؟کوئی نوکر دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا۔تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔

متی ۲۶ باب ۴۵ آیت۔مرقس ۱۴ باب ۴۱ آیت

موجودہ ترجمہ کے مطابق باغ گتسمنی میں جاگنی کے وقت خداوند اپنے تین مقرب شاگردوں کو حکم دیتے ہیں "اب سوتے رہو اور آرام کرو"۔حالانکہ اس سے قبل آپ نے اُن کو حکم دیا تھا تم یہاں ٹھہرو اور جاگتے رہو" (آیت ۳۵)۔اور جب اُن کو خلافِ توقع سوتا پایا تو فرمایا تھا "اے شمعون تو سوتا ہے؟کیا تو ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکا، (آیت ۳۷)۔پھر تعجب یہ ہے کہ سونے اور آرام دینے کا حکم دیتے ہیں اور حکم دینے کے عین بعد فرماتے ہیں۔"بس وقت آپہنچا اٹھو" (آیات ۴۱، ۴۲) یہ کیوں؟

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم نے (لوقا ۱۶ باب کی ۸تا۹ آیت) پر بحث کرتے وقت یہ بتلایا تھا کہ ارامی زبان میں استفہامیہ نشان نہیں تھا۔لیکن سیاق وسباق کے ذریعے پڑھنے والے پر ظاہر ہو جاتا تھا کہ فقرہ بیانیہ ہے یا استفہامیہ، آیت زیر بحث بھی درحقیقت استفہامیہ ہے۔اس مقام میں آنخداوند اپنے مقرب شاگردوں کو سونے کا حکم نہیں دیتے۔بلکہ سوال کرتے ہیں۔"کیا تم اب بھی سوتے اور آرام کرتے رہو گے"؟

جرمن نقاد ولہاسن کا بھی یہی خیال ہے[1]۔اس نظریہ کو (لوقا ۲۲ باب کی ۴۶ آیت) سے بھی تقویت ملتی ہے۔جہاں سیدنا عیسیٰ ان سے سوال کرتے ہیں "تم سوتے کیوں ہو"؟

[1] McNeil, St. Matthew p.392

پس ان آیات کا صحیح اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

"پھر وہ ایک جگہ آئے جس کا نام گتسمنی تھا۔ اور اُس نے اپنے شاگردوں سے کہا "تم یہاں ٹھہرو اور جاگتے رہو" اور وہ تھوڑا آگے بڑھا اور زمین پر گر کر دعا مانگنے لگا۔ پھر وہ آیا اور انہیں سوتا پا کر پطرس سے کہا "اے شمعون تو سوتا ہے؟ کیا تو ایک گھڑی بھی نہ جاگ سکا؟ جاگو اور دعا مانگو تا کہ (بوقتِ) امتحان (جو قریب ہے) تم گرنہ جاؤ" پھر وہ چلا گیا اور پھر آ کر اُنہیں سوتے پایا۔ اور وہ اُنہیں چھوڑ کر پھر چلا گیا۔ پھر تیسری بار اُن سے کہا کیا تم اب بھی سوتے اور آرام کرتے رہو گے؟ بس وقت آ پہنچا ہے[1]۔۔(مرقس ۱۴ باب کی ۳۲۔۴۲ آیت۔

یوحنا ۶ باب کی ۳۲ آیت

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ موسیٰ نے تمہیں آسمانی روٹی نہ دی۔ لیکن میرا باپ تم کو حقیقی روٹی آسمان سے دیتا ہے"۔

موجودہ ترجمہ کے مطابق سیدنا مسیح ایک صریح واقعہ کا انکار کرتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اس واقعہ کا انکار آپ کی دلیل کے لئے ضروری نہ تھا اور نہ آپ کے مخالفوں نے حضرت موسیٰ کا نام ہی لیا تھا۔ ان باتوں کے برعکس اس واقعہ کا تسلیم کرنا ہی آپ کی دلیل کی بنیاد تھی۔ بنابریں متن کا یہ یونانی ترجمہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

ہم بتلا چکے ہیں کہ ارامی زبان میں استفہامیہ نشان نہ تھا۔ لیکن اہلِ زبان پڑھتے وقت سمجھ جاتے تھے کہ فلاں فقرہ بیانیہ ہے یا استفہامیہ۔ سوال کی صورت اور پوچھنے کا انداز اور بولنے والے کا طریقہ خطاب سامعین پر خود ظاہر کر دیتا تھا کہ فقرہ استفہامیہ کا جواب "ہاں" ہے یا "نہیں"۔ مثلاً اگر بولنے یا پڑھنے والا کہے "بادشاہ صاحب قدرت نہیں ہے" تو اگر اس کا اندازِ خطاب سوالیہ ہو گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا "کیا بادشاہ قدرت والا نہیں ہے"؟ اور اس کا جواب سامعین کے دلوں میں ہو گا "ہاں وہ ضرور قدرت والا ہے"۔ لیکن اگر اُس کا اندازِ خطاب سوالیہ نہیں ہو گا تو یہ جملہ بیانیہ ہو گا کہ بادشاہ قدرت والا شخص نہیں ہے۔

پروفیسر ٹوری کے مطابق یہ آیت بیانیہ نہیں جیسا کہ موجودہ ترجمہ ظاہر کرتا ہے۔ بلکہ استفہامیہ ہے۔ فصیح ارامی مقرر عموماً ایسا سوال کرتے تھے۔ جس کا جواب مخالف و موالف کے نزدیک مسلم ہوتا۔ پھر وہ اس مسلم جواب کو اپنی دلیل کی بنیاد قرار دے کر بحث کرتے تھے۔ اور اپنے دعویٰ کو ثابت کرتے تھے مثلاً (زبور ۹۴: ۸۔۱۱۔ امثال ۶: ۲۷) وغیرہ۔ سیدنا مسیح نے یہی طرز اختیار فرمایا۔ آپ یہودی سامعین سے فرماتے ہیں"۔ میں تم سے ایک سچی بات کرتا ہوں۔ کیا موسیٰ نے تم کو روٹی آسمان سے نہ دی تھی؟ (ہاں۔ ضرور دی تھی) لیکن (اب) میرا باپ تم کو (بغیر کسی انسانی وسیلہ کے) آسمان سے حقیقی روٹی بخشتا ہے"۔

[1] The end and the hour are pressing (Black, An Aramaic Approach to the Gospels p.162

آنخداوند اکثراس قسم کی دلیل سے مخالفین کا منہ بند کیا کرتے تھے۔ مثلاًاسی انجیل کے اگلے باب میں آپ شقی یہود سے پوچھتے ہیں۔ کیا موسیٰ نے تمہیں شریعت نہیں دی؟(ہاں۔ ضرور دی) تو بھی تم میں سے شریعت پر کوئی عمل نہیں کرتا۔ تم کیوں میرے قتل کی کوشش میں ہو"(۷ باب ۱۹آیت)۔

پس اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہوا:

"سیدنا عیسیٰ نے اُن سے کہا۔ کیا موسیٰ نے وہ روٹی تم کو آسمان سے نہ دی تھی؟ لیکن میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ میرا باپ آسمان سے تمہیں حقیقی روٹی دیتا ہے"۔

یوحنا۷ باب ۲۷ سے ۲۸ آیت

"اس کو تو ہم جانتے ہیں کہ وہ کہاں سے ہے پر مسیح جب آئے گا۔ تب کوئی نہیں جانے گا کہ وہ کہاں سے ہے۔ یسوع نے ہیکل میں تعلیم دیتے وقت پکار کر کہا۔ تم مجھے جانتے ہو۔ اور یہ بھی کہ میں کہاں سے ہوں۔ میں تو آپ سے نہیں آیا لیکن میرا بھیجنے والا سچا ہے۔ جسے تم نہیں جانتے"۔

موجودہ متن کے مطابق اس مقام میں اہل یہود کہتے ہیں کہ وہ خداوند کو جانتے ہیں اور خداوند بھی اس بات کا اقبال کرتے ہیں کہ اہل یہود آپ کو جانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خدا سچا ہے۔ جو متنازعیہ فیہ بات ہی نہ تھی اور جس کا اہل یہود نے انکار بھی نہیں کیا تھا۔ علاوہ ازیں اس کے بعد ہی آپ فرماتے ہیں کہ یہود آپ کو نہیں جانتے (۸: ۱۴تا۱۹)۔ ان مشکلات کی بناء پر ٹوری صاحب خیال کرتے ہیں کہ متن کا موجودہ یونانی ترجمہ غلط ہے۔ بلکہ اصل ارامی کلمہ جو سیدنا مسیح نے زبانِ مبارک سے فرمایا تھا وہ بیانیہ نہیں تھا۔ بلکہ در حقیقت استفہامیہ تھا۔ جس کا جواب نفی میں تھا۔ ڈاکٹر ٹوری کا ترجمہ دونوں مشکلوں کو دُور کر دیتا ہے آپ کے خیال میں صحیح ترجمہ یہ ہے:

"یہود کہنے لگے کہ "اس کو تو ہم جانتے ہیں کہ کہاں کا ہے۔ مگر مسیح جب آئیگا تو کوئی نہ جانے گا کہ وہ کہاں کا ہے۔ پس یسوع نے ہیکل میں تعلیم دیتے وقت پکار کر کہا" کیا تم نہیں جانتے ہو؟ اور کیا تم یہ بھی نہیں جانتے ہو کہ میں کہاں کا ہوں؟ (ہر گز نہیں) لیکن حق تو یہ ہے کہ میں آپ سے نہیں آیا بلکہ جس نے مجھے بھیجا ہے اس کو تم نہیں جانتے"۔

یوحنا۱۱ باب ۴۹ آیت

"ان میں سے کائفا نام ایک آدمی جو اس سال سردار کاہن تھا اُس نے کہا تم کچھ نہیں جانتے ہو اور یہ سوچتے نہیں ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی امت کے واسطے مرے اور ساری قوم ہلاک نہ ہو"۔

ڈاکٹر ٹوری کے مطابق یہ فقرہ بھی استفہامیہ ہے یا بیانیہ نہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر یہ فقرہ استفہامیہ مان لیا جائے تو وہ زیادہ موثر ہو جاتا ہے۔ اور انجیل نویس کے مقصد کو بہتر طور پر ادا کرتا ہے۔ چنانچہ یہ ترجمہ یوں ہو گا:

"کیا تم کچھ سوجھ نہیں رکھتے؟ کیا تم یہ سوچ نہیں سکتے کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی امت کے واسطے مرے نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو"؟

یوحنا ۱۲ باب ۷ آیت

"اسے یہ عطر میرے دفن کے لئے رکھنے دے"

یہاں عجیب بات یہ ہے کہ عورت نے عطر کو یسوع کے پاؤں پر ڈال دیا تھا۔ لیکن آنخداوند یہوداغدار کو فرماتے ہیں کہ اسے یہ عطر میرے دفن کے دن کے لئے رکھنے دے۔ جب عطر ختم ہو چکا ہے تو وہ کس طرح رکھا جاسکتا ہے؟ پروفیسر ٹوری کے مطابق ارامی اصل کا یہ یونانی ترجمہ غلط ہے صحیح ترجمہ یہ ہے:

"اسے (یعنی عورت کو) رہنے دو۔ کیا وہ یہ عطر میرے دفن کے دن لئے رکھ چھوڑے"؟ پس اصل ارامی فقرہ بیانیہ نہیں بلکہ استفہامیہ ہے۔

مرقس ۴: ۱۲۔ لوقا ۸: ۱۰۔ متی ۱۳: ۱۳

"ان کے لئے جو باہر ہیں سب باتیں تمثیلوں میں ہوتی ہیں تاکہ وہ دیکھتے ہوئے دیکھیں اور معلوم نہ کریں اور سنتے ہوئے سنیں اور نہ سمجھیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ رجوع لائیں اور معافی پائیں"۔

اہل یہود کی کتب مقدسہ میں خدا کے اصل مقصد اور اس کے اٹل قوانین کے نتائج میں تمیز نہیں کی گئی۔ ہر واقعہ خدا کے مقصد اور ارادہ کا ظہور تصور کیا جاتا تھا۔ اگر اہل یہود تائب ہو کر خدا کے پاس نہیں آتے تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ خدا کا یہی ارادہ تھا کہ وہ نجات نہ پائیں۔ چنانچہ یسعیاہ نبی کہتا ہے "خدا نے مجھے فرمایا کہ جا اور اُن لوگوں سے کہہ کہ تم سنا کرو اور سمجھو نہیں۔ تم دیکھا کرو پر بوجھو نہیں۔ تو ان لوگوں کے دلوں کو چربا دے اور ان کے کانوں کو بھاری کر اور اُن کی آنکھیں بند کر دے تاکہ نہ ہو کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اپنے کانوں سے سنیں اور اپنے دلوں سے سمجھ لیں اور باز آئیں اور شفا پائیں (یسعیاہ ۶: ۹تا۱۰) نیز دیکھو (۲۔ تواریخ ۱۱: ۴)۔

بعینہ یہی سوال مقدس پولوس اور دیگر یہودی مسیحیوں کے سامنے تھا۔ اُن کی سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ جب مسیح اہل یہود کے پاس آیا تو اس کے اپنوں نے اُسے قبول نہ کیا۔ پس اُنہوں نے بھی اہل یہود کے انبیاء کے حل کو تسلیم کر لیا کہ خدا کی مرضی یہ نہیں تھی کہ وہ نجات سے بہرہ ور ہوں (اعمال ۲۸: ۲۵۔ ۳۸، یوحنا ۱۲: ۳۸۔ ۴۰ وغیرہ)۔

لیکن اناجیلِ اربعہ کا سطحی مطالعہ بھی یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ سیدنا مسیح اس قسم کے خیال رکھنے والے انسان نہ تھے۔ آپ جانتے تھے کہ آپ کل بنی نوع انسان کو نجات دینے کے لئے اس دنیا میں آئے۔ آپ کو یہ زبردست احساس تھا کہ خدا کی یہ مرضی نہیں کہ ادنیٰ سے ادنیٰ انسان بھی اس نجات سے بے بہرہ رہے (یوحنا ۱۲: ۴۶۔ ۳: ۱۶ وغیرہ)۔

لیکن اس کے برعکس زیر بحث آیات (متی ۱۳: ۱۳۔ مرقس ۴: ۱۲۔ لوقا ۸: ۱۰)۔ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کلمۃ اللہ کی تمثیلوں میں تعلیم دینے کی غرض ہی یہ تھی کہ لوگ آپ کے اشارات کو نہ سمجھیں اور تائب ہو کر معافی نہ پائیں"۔ مقدس متی لفظ "تاکہ" کی بجائے "کہ استعمال کرتا ہے (متی ۱۳: ۱۳) اور بظاہر یہی معلوم دیتا ہے کہ آنخداوند کا اصل مقصد یہ تھا کہ بارہ رسولوں کے سوا آپ کی تمثیلوں کو سمجھ کر کوئی توبہ نہ کرے۔

ایک اور بات قابلِ غور ہے مقدس متی کے بیان کے مطابق حضرت کلمۃ اللہ خود یسعیاہ کی مذکورہ بالا پیشین گوئی کا اقتباس فرماتے ہیں۔ جس کسی نے انجیلِ اوّل کا سطحی مطالعہ بھی کیا ہے وہ جانتا ہے کہ مقدس متی اپنی انجیل میں بار بار انبیاء یہود کی پیشین گوئیوں کے پورا ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور اُن کا اقتباس کرنے سے پہلے ہر موقعہ پر لکھتے ہیں "کیونکہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو"۔ کیونکہ نبی کی معرفت یوں لکھا گیا ہے "(متی ۱: ۲۳؛ ۲: ۵، ۱۷؛ ۴: ۱۴۔ ۱۳: ۳۵ وغیرہ) لیکن اس مقام میں انجیل نویس یہ فارمولے استعمال نہیں کرتا کیونکہ یہاں کلمۃ اللہ خود فرماتے ہیں "اُن کے حق میں یسعیاہ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔۔۔۔۔ اور میں اُن کو شفا بخشوں"۔ اگر ناظرین یسعیاہ نبی کی کتاب کے الفاظ (یسعیاہ ۶: ۹ تا ۱۰)۔ اور منجی عالمین کے الفاظ (متی ۱۳: ۱۴ تا ۱۵)۔ کا بغور مقابلہ کریں تو دونوں عبارتوں میں حیرت انگیز فرق پائیں گے جو ہم پر فوراً ظاہر کر دیتا ہے کہ خداوند کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آئی تھی کہ یسعیاہ نبی کے الفاظ سے یہ ثابت کریں کہ تمثیلوں میں تعلیم دینے کی غرض یہ تھی کہ لوگ تائب ہو کر رجوع نہ لائیں۔

اس اختلافِ قرات کی کیا وجہ ہے؟ پروفیسر مین سین[1] (T.W. Manson) کہتے ہیں۔ کہ یہ اقتباس یسعیاہ کی کتاب کے اصل عبرانی متن یا اس کے یونانی سیپٹواجنٹ ترجمہ سے نہیں لیا گیا بلکہ تارگم (یا تراجم یعنی یہودی توضیح) سے کیا گیا ہے۔ تارگم کے اس مقام (یسعیاہ ۹: ۹) میں لکھا ہے

> "اور خداوند نے مجھے فرمایا جا اور اُن لوگوں سے کہہ جو دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے اور نہیں سمجھتے تا ایسا نہ ہو کہ آنکھوں سے معلوم کریں اور دل سے سمجھیں اور رجوع لائیں اور میں اُن کو شفا بخشوں"

اگر پروفیسر مذکور کا یہ خیال صحیح ہے (اور ہم کو اس کے قبول کرنے میں مطلق تامل نہیں) تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت کلمۃ اللہ کے خیال مبارک کے مطابق یسعیاہ کے تارگمی الفاظ کے مصداق وہ لوگ ہیں جو دیدہ دانستہ آنکھیں اور کان بند کر لیتے ہیں تاکہ حق کا کلمہ ان کے دلوں میں جڑ پکڑ کر ان کو توبہ پر مجبور نہ کر دے۔ خدا کا یہ مقصد تھا کہ وہ نجات پائیں لیکن ان کے اپنے سرکش دل ان کو خدا کی طرف رجوع کرنے نہیں دیتے۔ یہ تشریح سیدھی سادی ہے اور اس کو قبول کرنے سے کوئی معمہ حل طلب نہیں رہتا۔

ناظرین نے یہ نوٹ کیا ہو گا کہ انجیلی اردو ترجمہ کے الفاظ "کہ اور تاکہ" کی بجائے مذکورہ بالا ترجمہ میں لفظ "جو" استعمال کیا گیا ہے۔ جس نے ہر مشکل کو رفع کر دیا ہے۔ سیدنا مسیح کی مادری زبان ارامی تھی۔ جس میں آپ تعلیم دیا کرتے تھے۔ آپ نے ارامی زبان کا ضمیر موصولہ "دِ" کا استعمال فرمایا تھا جس کا مفہوم یونانی زبان میں تین الفاظ سے ادا ہوتا ہے۔ "جو، کہ، تاکہ" جس طرح فارسی ضمیر موصولہ "کہ" کا مفہوم اُردو زبان میں "جو، کہ، تاکہ" سے ادا ہوتا ہے جب اناجیل اربعہ کے ارامی متن کا یونانی ترجمہ کیا گیا تو انجیلِ اوّل کے مترجم نے لفظ "د" کے لئے لفظ "کہ" استعمال کیا اور انجیل

[1] T.W. Manson, Teaching of Jesus p.76 (Cambridge 1931)

دوم اور سوم کے مترجمین نے لفظ "تاکہ" استعمال کیا۔ حالانکہ اس مقام میں لفظ "جو" صحیح ترجمہ تھا۔ یونانی متن کا یہ غلط ترجمہ اناجیل اربعہ کے متعدد مقامات میں غلط فہمیاں پیدا کر دیتا ہے۔ انشاء اللہ ہم آئندہ آیات میں بھی یہ واضح کر دیں گے کہ ارامی ضمیر موصولہ "دِ" کا غلط ترجمہ بہت دقتوں اور مشکلوں کا ذمہ وار ہے۔

پس آیات زیر بحث کا صحیح اردو ترجمہ یہ ہے "تم کو خدا کی بادشاہی کا بھید دیا گیا ہے۔ مگر ان کے لئے سب باتیں تمثیلوں میں ہوتی ہیں جو دیکھتے ہوئے معلوم نہیں کرتے اور سنتے ہوئے نہیں سمجھتے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ رجوع لائیں اور معافی پائیں" (مرقس ۴: ۱۲)۔

Black, Aramaic Approach pp.153-8

متی ۵ باب ۴۸ آیت

"تم کامل ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ کامل ہے"

صدیوں سے یہ آیت مفسروں کے لئے دردِ سر کا موجب رہی ہے۔ بعض اس سے یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ مسیحی کا یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو اس درجہ تک کامل کرے کہ الٰہی فضل اس میں کمال تک پہنچ جائے۔ جس کا نتیجہ ایک ایسی شخصیت ہو جائے جس سے زیادہ کامل زندگی تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ چنانچہ ریاضت کش رہبان کہتے تھے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ شخصی پاکیزگی کی انتہائی منزل حاصل ہو جائے جس میں خدا کی وہ صورت ظاہر ہو جائے جس پر باغ عدن میں انسان خلق ہونے کے وقت پیدا کیا گیا تھا۔ چنانچہ مغربی ممالک کے قرونِ وسطیٰ کے متکلمین فلسفیانہ باریکیوں کو کام میں لا کر کہتے تھے کہ آدم کی معصیت اور نسلِ انسانی کے ہبوط (نازل، نیچے اترنا) کے وقت خدا کی صورت (جس پر انسان پیدا کیا گیا تھا) نہیں مٹی تھی گو مشابہت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

(۱)

دیگر مفسرین[1] کہتے تھے کہ اس آیہ (آیت) شریفہ کا یہ مطلب ہے کہ ہم مسیح کی مانند ہو جائیں جو خدا کی صورت پر تھا اور خدا تھا۔ مسیح کامل انسان تھے اور ہم پر فرض ہے کہ "ہم کامل انسان بنیں اور مسیح کے قد کے پورے اندازے تک پہنچ جائیں"۔ (افسیوں ۴: ۱۳۔ کلسیوں ۱: ۲۸)۔ اس کے خلاف دیگر مفسر کہتے ہیں کہ یہ امر انسانی فطرت اور نسل انسانی کی تاریخ کے خلاف ہے۔ اس تصور کا (کہ انسان خدا کے کمال کو حاصل کر سکتا ہے) کتاب مقدس میں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ گو یہ غیر مسیحی بُت پرست فلاسفروں کا مطمع نظر ضرور تھا۔ پس اس حکم سے مراد یہ ہے کہ انسان ضعیف البیان (انسان، کمزور) پر ظاہر ہو جائے کہ وہ خود اپنی کوششوں سے یہ منزل نہیں حاصل کر سکتا اور کہ صرف وہی انسان نجات حاصل کرتے ہیں جن کو یا تو خدا

[1] Thomas Aquinas, Summa Theological 1Art. 9

اپنے ازلی ارادے کے مطابق پہلے سے چن لیتا ہے یا جن کو فضل کی معموری حاصل ہو جاتی ہے۔ بہر حال انسانی اعمال بیکار رہیں اور انسانی کوشش بے سود ہے۔ لہذا دونوں کا اس معاملہ میں دخل نہیں۔ یہ بحث مقدس آگسٹین سے دورِ حاضرہ تک برابر جاری ہے۔

(۲)

بعض علماء ان الجھنوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اس آیت میں لفظ "کامل" کی جگہ "رحیم" ترجمہ کر کے کہتے ہیں کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے "تم رحیم ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ رحیم ہے" لیکن مشہور جرمن عالم اور زبان دان ڈالمن کہتا ہے کہ یہ ترجمہ صرف کوئی ناواقف شخص ہی کر سکتا ہے[1]۔

(۳)

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کی ذات ایک کامل ہستی ہے اور جن معنوں میں وجودِ مطلق کامل ہے اُن معنوں میں کوئی انسان ضعیف البیان کامل نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ جیسا مقدس یعقوب فرماتا ہے "نہ تو خدا بدی سے آزمایا جا سکتا ہے اور نہ وہ کسی کو آزماتا ہے" (یعقوب ۱: ۱۳)۔ لیکن انسان آزمایا جاتا ہے اور آزمائش پر غالب آکر ہی کامل ہوتا ہے۔ چنانچہ سیدنا مسیح کی کاملیت کا بھی یہی راز تھا (عبرانیوں ۴: ۱۵۔ متی ۴: ۱) اور خود سیدنا مسیح کی زبانِ صداقت بیان نے اس فرق کو تسلیم فرمایا ہے (مرقس ۱۰: ۱۸)۔ بڑی سے بڑی بات جو انسان کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ "بے عیب اور بھولے ہو کر خدا کا بے نقص فرزند" بنا رہے (فلپیوں ۲: ۱۵)۔ ذاتِ الٰہی کی طرح کامل ہونا انسان کے لئے ناممکن ہے۔ اندریں حال سیدنا مسیح کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے۔ جو اس آیہ شریفہ میں موجود ہے؟

علاوہ ازیں سیاق و سباق کی آیات کا اس آیہ شریفہ سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ ان آیات میں کلمۃ اللہ فرماتے ہیں "اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔ اپنے ستانے والوں کے لئے دعا کرو تاکہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے"۔ پھر عین اس کے بعد نتیجہ کے طور پر فرماتے ہیں "پس چاہیے کہ تم کامل ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ کامل ہے۔ لیکن پہلی آیات میں اخلاقی کاملیت کا ذکر نہیں بلکہ الٰہی محبت کے سب پر حاوی ہونے کا ذکر ہے۔ اور آیہ زیر بحث میں لفظ "پس" ظاہر کرتا ہے کہ اس آیت میں پیشتر کی آیات کا نتیجہ موجود ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ خدا کی اخلاقی کاملیت کے کمال کی سی کاملیت حاصل کرو۔

[1] Dalman, Words of Jesus p.66

(۴)

ڈاکٹر ٹوری کا ترجمہ اس قسم کی تمام الجھنوں اور مشکلوں کو حل کر دیتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہاں مترجم نے اصل ارامی لفظ پر غلط اعراب لگا کر پڑھے جن کی وجہ سے یونانی متن کا غلط ترجمہ وجود میں آگیا ہے۔اس عالم کا خیال ہے کہ اصل ارامی الفاظ تھے "ھوجمرن" جس کے معنی ہیں کشادہ۔وسیع ،محیط، جامع، لیکن یونانی مترجم اس کو "جمر" پڑھ گیا جس کے معنی کامل کے ہیں۔

پس ڈاکٹر ٹوری کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ (جو سیاق وسباق کے مطابق بھی ہے، یہ ہے:

جس طرح تمہارے آسمانی باپ (کی محبت) سب پر حاوی ہے۔ چاہیے کہ تمہاری (محبت) بھی جامع ہو۔یعنی جس طرح خدا باپ تمام بدوں اور نیکوں، ناراستوں اور راستبازوں سے محبت رکھتا ہے۔ تم بھی اپنی محبت کے دائرہ میں سب کو شامل کرلو۔اور کسی کو اس دائرہ سے مستثنیٰ نہ کرو۔

یہ ترجمہ سیدھا ہے اور سیاق وسباق کے عین مطابق ہے۔اور سب مشکلوں کو حل کر دیتا ہے اور اس سے پہلی آیات کا نتیجہ بھی ظاہر کر دیتا ہے۔

متی ۸:۹۔لوقا ۷:۸:

اس آیت میں صوبہ دار سیدنا مسیح کو کہتا ہے "کیوں کہ میں بھی دوسرے کے اختیار میں ہوں اور سپاہی میرے ماتحت ہیں"۔ بادی النظر میں اس قول کے پہلے حصے میں صوبیدار گویا کہتا ہے "اے خداوند میں بھی تیری طرح دوسرے کے اختیار میں ہوں"۔ لیکن در حقیقت یہ اس کا مطلب نہیں ہے۔ڈاکٹر ٹوری کہتا ہے کہ اصل ارامی الفاظ کے غلط یونانی ترجمہ کا یہ نتیجہ ہے۔اس حصہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "کیونکہ میں بھی دوسروں پر اختیار رکھتا ہوں اور سپاہی میرے ماتحت ہیں"۔اس ترجمہ میں کسی طرح کی دقت پیش نہیں آتی۔

متی ۱۰:۲

اور بارہ رسولوں کے نام یہ ہیں۔ پہلا پطرس اس ترجمہ میں یہ دقت پیش آتی ہے کہ مقدس پطرس "پہلا" رسول نہیں تھا جو سیدنا مسیح کے پیچھے ہولیا۔نہ آپ مقدس اندریاس سے پہلے سیدنا مسیح کے حلقہ بگوش ہوئے تھے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں لفظ "پہلا" سے مراد کسی قسم کا تفوق یا مقدم ہونا نہیں ہے "(دیکھو مرقس ۱۰:۴۴۔ متی ۲۰:۲۷۔لوقا ۲۲:۲۶)ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ ارامی زبان میں لفظ "پہلے "الفاظ "بارہ" اور "رسول" کے درمیان تھا۔یعنی عبارت یہ تھی "اور بارہ پہلے رسولوں کے نام یہ ہیں "پطرس۔۔۔۔۔۔"لفظ "پہلے" کے لئے ارامی لفظ "قدیم" تھا نہ کہ "مقدم"۔ جب مقدس متی اس انجیل کو لکھ رہے تھے اس زمانہ میں مقدس متیاہ کا نام بارہ رسولوں میں شامل تھا۔(اعمال ۱:۱۵تا۲۶)۔ مقدس متی کا منشا قدیم رسولوں کے ناموں کا بتلانا تھا۔ پس آیت ہذا کا صحیح ترجمہ یہ ہے "اور پہلے بارہ رسولوں کے نام یہ ہیں"۔

متی ۱۰:۴، مرقس ۳:۱۹، لوقا ۶:۱۶۔

بارہ شاگردوں کی فہرست میں آخری نام ہے۔ یہوداہ اسکریوتی۔ جس نے اُسے پکڑوا بھی دیا۔

بعض مفسر "اسکریوتی" سے مراد "قریوت" کا رہنے والا کہتے ہیں" (دیکھو یرمیاہ ۴۸: ۲۴ وغیرہ)۔ اگر یہ درست ہے تو بارہ رسولوں میں سے صرف یہوداہ ہی اکیلا شخص تھا جو یہودیہ کا رہنے والا تھا کیونکہ باقی تمام شاگرد گلیلی تھے۔ دیگر مفسروں کا یہ خیال ہے کہ "اسکریوتی" کا مطلب یہ ہے کہ وہ سکری (Sicarii) یعنی خنجر چلانے والا تھا۔ یہ گروہ رومی سلطنت کو درھم برھم کرنے کے لئے تشدد کے طریقوں کا حامی تھا۔ اس کے ممبران یہودیوں کو قتل کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے جو اس سلطنت کے وفادار تھے۔ ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ

"لفظ "اسکریوتی" ایک دوغلا لفظ ہے۔ جس کے معنی غدار ہیں۔ ارامی لفظ "شقار" کے معنی غدار اور دغاباز کے ہیں۔
عربی لفظ "شقاریٰ" غالباً اسی سے مشتق ہے"۔

پس اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے "یہوداہ غدار جس نے اسے پکڑوا بھی دیا" اور اناجیل اربعہ میں جہاں کہیں "یہ یہوداہ اسکریوتی" لکھا ہے وہاں "یہوداہ غدار" پڑھنا چاہیے۔

مرقس ۹:۴۹تا۵۰

"کیونکہ ہر شخص آگ سے نمکین کیا جائیگا۔۔۔"

مسیحی مفسر شروع سے ہی سے اس آیہ شریفہ کے الفاظ سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ مرحوم مولوی ثناءاللہ نے ایک دفعہ یہ آیت قرآنی تعلیم کی حمایت میں پیش کی تھی کہ ہر شخص کو جہنم میں داخل ہونا پڑے گا۔ قرآنی الفاظ یہ ہی۔

وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا یعنی ہر فرد بشر ایک دفعہ ضرور دوزخ میں جائے گا۔ خدا پر فرض ہے کہ سب کو ایک دفعہ ضرور دوزخ میں پہنچائے۔ لیکن اس قسم کے عقیدہ کو انجیل جلیل اور بالخصوص منجی جہان کے کلماتِ طیبات سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔

بعض مفسرین کی تاویلیں نہایت مضحکہ خیز ہیں جو اُن کے اپنے ذاتی اور شخصی خیالات کا آئینہ ہیں۔ چنانچہ ابتدائی صدیوں میں اس آیت کو سمجھنے کے لئے (احبار ۲:۱۳) کی طرف رجوع کیا گیا، جہاں لکھا ہے کہ "تو اپنی نذر کی قربانی کے ہر چڑھاوے کو نمکین بنانا اور اپنی کسی نذر کی قربانی کو اپنے خدا کے عہد کے نمک بغیر نہ رہنے دینا۔ اپنے سب چڑھاوؤں کے ساتھ نمک بھی چڑھانا" یہی وجہ ہے کہ کسی ابتدائی مفسر کی تاویل کو (جو اس نے اپنے نسخہ کے حاشیہ میں لکھی تھی) نسخہ کے کاتب نے متن میں نقل کر لی اور یوں اس نے بعض نسخوں میں جگہ حاصل کر لی اور اس آیت کے بعد یہ الفاظ ایزاد (زیادہ ،اضافی) ہو گئے "اور ہر ایک قربانی نمک سے نمکین کی جائے گی" جو زائد ہونے کی وجہ سے اب اصل متن سے خارج ہیں۔

پادری گولڈ(Gould)اپنی تفسیر میں کہتے ہیں [1] "تمام لوگ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ آیت نئے عہد نامہ کی اُن آیتوں میں سے ہے جو نہایت مشکل ہیں۔اس آیت میں مشکل کی اصل جڑ لفظ "آگ" ہے۔ جو ۴۸ آیت میں اور اس آیت میں بھی موجود ہے"۔ غبی (کم عقل) سے غبی شخص پر بھی ظاہر ہے کہ کوئی انسان آگ سے نمکین نہیں کیا جا سکتا اور نہ وہ نمک سے آگ کی بھٹی میں ڈالا سکتا ہے۔

آیت ۴۸ میں عہدِ عتیق سے یسعیاہ نبی کا اقتباس کیا گیا ہے(یسعیاہ ۶۶: ۲۴)۔اس مقام میں نبی وادی حنوم کا ذکر کرتا ہے۔ جو یروشلیم کے جنوب مغرب میں واقع تھی، جہاں کسی زمانہ میں برگشتہ اسرائیل مولک دیوتا کے سامنے اپنے بچوں کی قربانی کیا کرتے تھے۔ یرمیاہ نبی اس جگہ کو لعنتی قرار دیتا ہے(یرمیاہ ۷: ۳۱)یسعیاہ نبی وادی حنوم یا جائے حنوم (جو بگڑ کر "جہنم" ہو گیا ہے) کی نسبت کہتا ہے کہ "جائے حنوم" یا "جہنم" میں خدا کے دشمنوں کی لاشیں ہمیشہ کے لئے جلتی رہیں گی۔

آیت ۴۸ میں الفاظ "ان کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی"۔ سیدنا مسیح کے اپنے منہ کے الفاظ نہیں بلکہ (یسعیاہ ۶۶: ۲۴) کا اقتباس ہیں جو یونانی انجیل کے مترجم کے سامنے عبرانی میں لکھے تھے۔ لفظ "آگ" کی عبرانی "ہائش" ہے جو آیت ۴۸ میں ہے۔ جب یونانی مترجم آیت ۴۹ کا ترجمہ کرنے لگا تو وہاں ارامی لفظ "بائش" تھا۔ لیکن اس نے یہ سمجھ کر کہ یہاں بھی وہی عبرانی لفظ "ہائش" ہے۔ اُس کا ترجمہ "آگ" کر دیا۔ کیونکہ اس نے مشابہ حروف ھ اور ب میں تمیز نہ کی۔ مترجم کی اس غلطی کی وجہ سے اس آیت کا یونانی ترجمہ غلط ہو گیا۔ کیونکہ عبرانی لفظ "ہائش" کے معنی "آگ" ہے لیکن ارامی لفظ "بائش" کے معنی "بگڑنا" ہے۔

ایک اور امر قابلِ غور ہے۔ اس آیت کے شروع میں ارامی الفاظ "کل بائش" تھے جن کا مطلب یہ ہے کہ "کل بگڑی ہوئی چیزیں" لیکن چونکہ مترجم نے اُن کو "کل ہائش" پڑھا لہذا اس کا ترجمہ "کل انسانوں کو آگ سے" ہو گیا۔

پس ڈاکٹر ٹوری کے مطابق آیت ۴۹ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

"ہر بگڑی ہوئی چیز نمک سے نمکین کی جاتی ہے"۔

اس ترجمہ کے معنی نہایت واضح اور صاف ہیں اور کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔

مرقس ۱۶: ۲

وہ (مریم مگدلینی وغیرہ) ہفتے کے پہلے دن بہت سویرے جب سورج نکلا ہی تھا قبر پر آئیں"۔

باقی تینوں انجیلوں میں لکھا ہے کہ یہ عورتیں "پو پھٹتے وقت" (متی ۲۸: ۱) "صبح سویرے" (لوقا ۲۴: ۱) "ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی تھا" (یوحنا ۲۰: ۱) قبر پر آئیں لیکن مقدس مرقس میں ہے کہ وہ "بہت سویرے جب سورج نکلا ہی تھا قبر پر آئیں" قیاس یہی چاہتا ہے کہ وہ صبح تڑکے

[1] International Critical Commentary p.180

پو پھٹتے وقت قبر پر آئی ہوں گی لیکن اُس وقت میں اور "سورج کے نکلنے" کے وقت میں بڑا فرق ہے۔ پو پھٹتے وقت ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی، سورج نہیں نکلا کرتا۔

پروفیسر ٹوری کہتے ہیں کہ اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ مقدس مرقس کی انجیل کے مترجم نے ارامی زبان کے حرفِ عطف واؤ کا لفظی ترجمہ کرتے وقت اس کو ایسی جگہ لکھ دیا جو موزوں نہ تھی۔ جس کی وجہ سے فقرے کی ساخت میں الفاظ "بہت سویرے" کے بعد "جب سورج نکلا" لکھا گیا پروفیسر مذکور کے مطابق ان آیات کا اصلی ترجمہ یہ ہے:

"وہ ہفتے کے پہلے دن بہت سویرے قبر پر آئیں۔ جب سورج نکلا تو وہ آپس میں کہتی تھیں کہ ہمارے لئے پتھر کو قبر کے منہ پر سے کون لڑھکائیگا؟ اُنہوں نے نگاہ کی تو دیکھا کہ پتھر لڑھکا ہوا ہے اور وہ بہت ہی بڑا تھا"۔

یوحنا ۲۰: ۱۷۔

یسوع نے مریم سے کہا مجھے نہ چھو کیونکہ میں اب تک باپ کے پاس اُوپر نہیں گیا۔ لیکن میرے بھائیوں کے پاس جا کر اُن سے کہہ۔۔۔۔۔الخ

اس موجودہ ترجمہ کے مطابق سیدنا مسیح کو چھونے کی ممانعت کا سبب سمجھ میں نہیں آتا اور ان الفاظ کو سمجھنے کے لئے مختلف مفسر مختلف تاویلیں کرتے ہیں۔

پروفیسر ٹوری کہتے ہیں کہ اس مشکل کی وجہ بھی ارامی کا حرفِ عطف واؤ ہے جو الفاظ "میرے بھائیوں سے جا کر کہہ" سے پہلے ہے اور جس کا اردو میں ترجمہ "لیکن" کیا گیا ہے۔ یونانی مترجم انجیل ن حرفِ عطف واؤ کا لفظی ترجمہ "اور" کر کے اس کو یونانی عبارت کے ایسے مقام میں لکھا ہے جس سے تمام آیت کا مطلب خبط ہو گیا ہے۔

علاوہ ازیں اس آیہ شریفہ میں اصل ارامی الفاظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں "میں اب تک باپ کے پاس اُوپر نہیں گیا" جو موجودہ یونانی متن اور اس کے اُردو ترجمہ میں ہے۔ لیکن انہی ارامی الفاظ کا یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے۔ "اس سے پہلے کہ میں باپ کے پاس اُوپر جاؤں" پہلا اردو ترجمہ بے معنی ہے۔ لیکن دوسرا ترجمہ اختیار کرنے سے سیدنا مسیح کے ارشاد کا مطلب نہایت واضح ہو جاتا ہے۔

پس آیات کا پروفیسر ٹوری اور دیگر علماء کے مطابق ترجمہ حسب ذیل ہے:

یسوع (سیدنا عیسیٰ) نے اس سے کہا۔ مریم۔ وہ اسے پہچان[1] کر اُس سے عبرانی زبان میں بولی اور ربونی یعنی اے استاد یسوع نے اُس سے کہا۔ مجھے نہ چھو۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں باپ کے پاس اُوپر جاؤں تو میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اُوپر جاتا ہوں"۔

[1] Black, Aramaic Approach pp.189-190

متی۶:۱۳۔۲۶:۴۱۔مرقس ۱۴:۳۸۔لوقا۱۱:۴۔۲۲:۴۰۔۲۲:۴۶

"آزمائش میں نہ پڑنا"۔

مذکورہ بالا چھ مقامات میں لفظ "پڑنا" کی بجائے لفظ "گرنا" اصل ارامی لفظ کو بہتر طور پر ادا کرتا ہے۔اُردو زبان کے مختلف ترجموں میں دعائے ربانی کے اس فقرے میں لفظ "لانا" اور "ڈالنا" استعمال کئے گئے ہیں۔ لیکن ارامی لفظ کے معنی ہیں۔ "مغلوب ہو جانا یا گر جانا" پس اردو ترجمہ ارامی مفہوم کو بطرزِ احسن ادا نہیں کرتے۔ "ہم کو امتحان میں نہ ڈال"۔(ترجمہ سرام پور ۱۸۲۹ء)۔ "ہمیں آزمائش میں نہ ڈال" (ترجمہ مرزا پور ۱۸۷۰ء) ہمیں آزمائش میں نہ لا" (موجودہ ترجمہ) ہمیں آزمائش میں نہ پڑنے دے"۔(ترجمہ کتاب دعائے عمیم ۱۹۰۰ء) وغیرہ کی بجائے صحیح ترجمہ یہ ہے "ہم کو آزمائش نہ گرنے دے" یا "ہم کو امتحان" کے وقت فیل نہ ہونے دے" بدقسمتی سے عام طور پر الفاظ "امتحان" اور "فیل" کا تعلق طالب علموں کی زندگی کے مدارج کے ساتھ ہو گیا ہے۔ ورنہ (متی ۲۶:۴۱۔مرقس ۱۴:۳۸۔لوقا ۲۲:۴۰) میں لفظ "امتحان" موزوں ترین لفظ ہے اور ان مقامات میں صحیح ترجمہ یہ ہوگا۔ "جاگو اور دعا مانگو تاکہ (بوقتِ) امتحان (جو قریب ہے) تم گرنہ جاؤ" (چنانچہ مرزا پور کا ترجمہ دعائے ربانی کے فقرہ میں لفظ " آزمائش" استعمال کرتا ہے۔اس مقام پر لفظ امتحان" استعمال کرتا ہے۔

لوقا۱:۳۹۔

"انہی دنوں مریم اٹھی اور جلدی سے پہاڑی ملک میں یہوداہ کو گئی"۔

اس ترجمہ میں دقت یہ ہے کہ یہوداہ شہر نہیں تھا۔ بلکہ ایک صوبہ کے نام تھا۔ پس اردو کے موجودہ ترجمہ کرنے والوں نے انگریزی ریوائزڈ ترجمہ کی طرح اس مقام پر "یہوداہ کے ایک شہر" لکھ دیا ہے۔ جو اصل یونانی کا صحیح ترجمہ نہیں ہے۔

پروفیسر ٹوری نے زبردست دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ "عبرانی اور یہودی تصانیف میں ابتدا سے لے کر مسیح سے چند صدیاں بعد تک لفظ "مدینہ سے مراد "صوبہ" لی جاتی تھی۔ لیکن جب غیر یہود اس لفظ "مدینہ" کو استعمال کرتے تھے۔ تو اس سے مراد "شہر" لیتے تھے[1]۔ چونکہ مقدس لوقا غیر اقوام سے مشرف بہ مسیحیت ہوئے تھے لہذا انہوں نے اس مقام میں عبرانی لفظ "مدینہ" کا ترجمہ صوبہ کی بجائے غیر یہودی محاورہ کے مطابق شہر کر دیا۔ لیکن مقدس لوقا کا اصل مطلب شہر نہیں تھا بلکہ صوبہ تھا (دیکھو لوقا ۲:۴)۔ پس اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہوا۔ اُنہی دنوں میں مریم اٹھی اور جلدی سے پہاڑی ملک میں یہودیہ کے صوبہ کو گئی"۔

لوقا۸:۳۹

"وہ روانہ ہو کر تمام شہر میں چرچا کرنے لگا"

[1] Harvard Theological Review Vol.11(1924) pp.83-89

یہاں بھی مقدس لوقا نے عبرانی لفظ مدینہ کا ترجمہ غیر یہودی محاورہ کے مطابق "شہر" کر دیا ہے۔ لیکن یہودی محاورہ کے مطابق یہاں بھی لفظ صوبہ چاہیے۔ چنانچہ مقدس مرقس کے بیان میں بھی ہے کہ اس نے تمام ضلع (دکپلس) میں چرچا کر دیا تھا (مرقس ۵:۲۰)۔ پس ڈاکٹر ٹوری کے مطابق اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

"وہ روانہ ہو کر تمام صوبہ میں چرچا کرنے لگا"۔

لوقا ۲:۱

"اُن دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اگسطس کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں"

اس مقام میں مفسروں کو یہ دقت پیش آتی ہے کہ جس یونانی لفظ کا اردو ترجمہ "دنیا" کیا گیا ہے۔ اس کے معنی میں "تمام دنیا جس میں انسان بستے ہیں" اور چونکہ اس قسم کی مردم شماری ناممکن تھی لہذا مفسر اس مردم شماری کو رومی سلطنت تک ہی محدود بتلاتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ رومی سلطنت کی اس مردم شماری کے حکم کا کسی دوسری جگہ پتہ نہیں چلتا[1]۔

پروفیسر ٹوری کہتے ہیں کہ یہ دقت عبرانی لفظ "ارض" کے غلط یونانی ترجمہ کی وجہ سے پیش آتی ہے۔ عبرانی لفظ "ارض" سے اہل یہود کی مراد ہمیشہ ارضِ مقدس یعنی کنعان کے ملک سے ہوتی تھی۔ لیکن غیر یہود اس یہودی محاورہ اور استعمال سے قدرتاً واقف نہ تھے۔ پس مقدس لوقا جو غیر یہودی تھے اس کا لفظی ترجمہ "دنیا" کرتے ہیں۔

یہی غلطی مقدس لوقا سے (اعمال ۱۱:۲۸) میں سرزد ہوئی جہاں لکھا ہے کہ "تمام دنیا میں بڑا کال پڑے گا"۔ حالانکہ یہاں بھی لفظ ارض سے مراد صرف ارضِ مقدس ہے۔ کیونکہ خود اعمال کی کتاب ہی سے ظاہر ہے کہ اس کال کا انطاکیہ میں بھی وجود نہ تھا۔ اگرچہ وہ تمام "دنیا" پر حاوی ہو۔

پس اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے "ان دنوں میں ایسا ہوا کہ قیصر اگسطس کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا۔ کہ ساری ارض (مقدس) کے لوگوں کے نام لکھے جائیں"۔ اور اعمال کی کتاب کی پیش کردہ آیت کا صحیح ترجمہ ہوگا کہ "ساری ارض (مقدس) میں بڑا کال پڑے گا"۔

لوقا ۶:۴۰

"شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک جب کامل ہوا تو اپنے استاد جیسا ہوگا"۔

موجودہ ترجمہ میں الفاظ "جب کامل ہوا" عبرانی لفظ "تقین" کا ترجمہ ہیں۔ اہل یہود کے محاورہ میں یہ لفظ عموماً تب استعمال کیا جاتا تھا جب کہنے والے کا مطلب یہ ہوتا تھا۔ کہ فلاں بات موزوں، مناسب، درست یا ٹھیک ہے۔ مثلاً یہی لفظ (پیدائش ۲:۱۸۔۱۶:۶۔ خروج ۸:۲۶) میں استعمال ہوا ہے۔ جہاں اس کا اردو ترجمہ "اچھا"، "بھلا"، "مناسب"، کیا گیا ہے۔ لیکن غیر یہود میں یہ لفظ ان معنوں میں رائج نہیں تھا۔ اور وہ اس یہودی محاورہ سے

[1] Plummer, St. Luke (International Critical Commentary p48)

ناآشنا تھے۔ پس مقدس لوقا نے (جو غیر یہود تھے) اس لفظ کے معنی غیر یہودی مروجہ معنوں میں استعمال کر کے اس لفظ کا ترجمہ "جب کامل ہوا" کر دیا۔ پس اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

"شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر ایک کے لئے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنے استاد جیسا ہو"۔

چنانچہ مقدس متی نے بھی اپنی انجیل میں اسی طرح ترجمہ کیا ہے "شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہیں۔ شاگرد کے لئے کافی ہے کہ اپنے استاد کی مانند ہو' (متی ۱۰: ۲۵)۔

لوقا ۸: ۲۷

"جب وہ کنارے پر اُترا تو اس شہر کا ایک مرد اُسے ملا جس میں بدروحیں تھیں"۔

جب ہم اس بیان کو انجیل مرقس (مرقس ۵: ۲) اور انجیل متی (متی ۸: ۲۸) میں پڑھتے ہیں تو یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ پاگل آدمی شہر سے نہیں آیا تھا۔ بلکہ شہر کے باہر جو قبریں تھیں اُن میں سے آیا تھا۔ خود مقدس لوقا کا بیان بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ "وہ قبروں میں رہا کرتا تھا"۔ یہ پاگل شخص خطرناک تھا جو ننگا پھرا کرتا تھا اور شہر کے کسی گھر میں نہیں رہتا تھا بلکہ وہ "بیابانوں" میں بھاگا پھرا کرتا تھا۔

اس آیت میں لفظ "شہر" ارامی لفظ "قریہ" کا غلط ترجمہ ہے۔ قریہ کا کنعانی ارامی زبان میں ترجمہ نہ صرف شہر تھا بلکہ اس سے مراد گاؤں بستی مزروعہ زمین، مفصلات کھلا میدان بھی تھے۔ یہ لفظ صرف پہاڑی بنجر زمین کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اس لفظ سے مراد وہ خطہ زمین تھا جو کسی آبادی کے آس پاس ہو۔ لیکن غیر کنعانی اس لفظ سے عموماً شہر سے مراد لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مقدس لوقا نے اس جگہ اس لفظ کا غلط ترجمہ شہر کیا ہے۔ پس اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

"جب وہ کنارے پر اُترے تو کھلے میدان سے ایک مرد اسے ملا"۔

لوقا ۹: ۱۰

"وہ ان کو الگ لے کر بیت صیدا نام ایک شہر کو گیا"۔

جب ہم اس مقام کا مقدس مرقس کے بیان (مرقس ۶: ۳۱) اور مقدس متی کے بیان (متی ۱۴: ۱۳) سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر عیاں ہو جاتا ہے کہ سیدنا مسیح اپنے رسولوں کو کسی خاموش مقام میں لے جانا چاہتے تھے۔ تاکہ وہ قدرے آرام کر لیں۔ لیکن اس آیت میں لکھا ہے کہ آپ ان کو "بیت صیدا نام" شہر میں لے گئے" اور پھر لطف یہ ہوا کہ دو آیتوں کے بعد اس جگہ کو باقی انجیل نویسوں کے بیان کے عین مطابق "ویران جگہ" کہا گیا ہے (آیت ۱۲)۔ یہ تضاد مقدس لوقا کے ارامی لفظ "قریہ" کے غلط ترجمہ "شہر" کی وجہ سے ہے۔ جیسا اُوپر ذکر کیا گیا ہے۔ پس اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

"وہ ان کو الگ لیکر بیت صیدا کے مفصلات (شہر کے ارد گرد کے قصبات و دیہات) کو گیا"۔

ناظرین رسالہ ہذا کو یاد ہو گا کہ ان آیات کے نئے ترجمے کی بنا ڈاکٹر ٹوری صاحب کا یہ نظریہ ہے کہ اناجیل اربعہ پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھیں۔ جس سیدنا مسیح اور آپ کے ہمعصر یہود بولتے تھے اور بعد میں یہ اناجیل لفظ بلفظ ترجمہ کی گئیں۔ اس ترجمہ کے دوران میں صرف چند مقامات میں ارامی زبان سے واقفیتِ نامہ حاصل نہ ہونے کی وجہ سے مترجمین سے غلطیاں سرزد ہو گئیں۔ جن کی وجہ سے ان مقامات کا یونانی متن بعض اوقات ایک معمہ سا بن جاتا ہے۔ ڈاکٹر موصوف کا یہ دعویٰ ہے کے جب موجودہ یونانی متن کا از سرِ نو ارامی زبان میں ترجمہ کیا جاتا ہے تو ہم پر فوراً واضح ہو جاتا ہے کہ اناجیل کے مترجموں نے غلطیاں کس طرح کیں۔ مثال کے طور پر ہم ذیل میں اور مقامات پیش کرتے ہیں۔ جن سے ڈاکٹر ٹوری کا یہ نظریہ ناظرین کو سمجھ میں آجائے گا۔

مرقس ۱۰: ۱۲

"اگر عورت اپنے خاوند کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے"۔

اس ترجمہ میں یہ دقت پیش آتی ہے کہ ہندوؤں کی طرح موسوی شریعت کے مطابق عورت اپنے شوہر کو طلاق نہیں دے سکتی تھی، اگرچہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا تھا۔ پس یہ آیت بے معنی ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر ٹوری کہتا ہے کہ جن الفاظ کا ترجمہ "شوہر کو چھوڑے" کیا گیا ہے، وہ ارامی میں "پتر لگبر" ہیں۔ لیکن چونکہ اردو کی طرح ارامی عبارت پر عموماً زیر و زبر نہیں دی جاتی تھی لہذا یونانی کے مترجم نے ان الفاظ کو "پتَر لگَبر" پڑھا لیکن اس کو یہاں ت پر زبر کی بجائے زیر پڑھنا چاہیے اور اصل لفظ "پتِر لگبر" تھا جو فعل معروف نہیں بلکہ فعلِ مجہول تھا جس کے معنی ہوئے "شوہر کی چھوڑی ہوئی"۔

پس اصل ترجمہ یہ ہے "اگر شوہر کی چھوڑی ہوئی عورت دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے" بعینہ یہی بات لوقا مقدس کی انجیل میں لکھی ہے "(لوقا ۱۶: ۱۸) اور مقدس متی میں بھی سیدنا مسیح یہی فرماتے ہیں "(متی ۵: ۳۲) یونانی نسخہ بینری میں بھی "شوہر کی چھوڑی ہوئی عورت" لکھا ہے[1]۔

لوقا ۱۰: ۴

"نہ بٹوا لے جاؤ، نہ جھولی نہ جوتیاں اور نہ راہ میں کسی کو سلام کرو"۔

اس ترجمہ کے مطابق سیدنا مسیح نے اپنے شاگردوں کو نعوذ باللہ بدتمیزی کی بات سکھلاتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ یہاں ارامی لفظ "شلیم" تھا۔ جس کا یونانی مترجم "شلَم" بہ معنی سلام کرنا پڑھا گیا۔ لیکن اس لفظ کے ش پر زبر نہ تھی اور نہ ل مشدد تھا۔ بلکہ لفظ "شلیم" تھا۔ جس کے معنی

[1] Montefiore, Synoptic Gospel, vol 1 p.234

ہیں "ساتھی ہونا" یا "ساتھ کرنا" پس سیدنا مسیح اپنے شاگردوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ "نہ بٹوا لے جاؤ، نہ جھولی نہ جوتیاں اور نہ راہ میں کسی کے ساتھ بنو"۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ "تم انجیل سنانے جارہے ہو، راہ میں اس بات کا انتظار نہ کرو کہ جب تم کو کوئی ساتھی ملے تب سفر کرو"۔

لوقا ۱۱: ۴۱

"اندر کی چیزیں خیرات کردو تو دیکھو سب کچھ تمہارے لئے پاک ہوگا"۔

انجیل سوم کا ہر مفسر اس آیہ شریفہ کو مشکل بتلاتا ہے اور مختلف مفسرین اس کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں اور بمشکل دو مفسر ایسے ہوں گے جن کی تاویل ایک ہو۔

جب ہم مقدس لوقا کی انجیل (لوقا ۱۱: ۳۹ سے ۴۱) کا مقدس متی کی انجیل (متی ۲۳: ۲۵) سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر فوراً ظاہر ہو جاتا ہے کہ مقدس متی کے الفاظ اصل مفہوم کو پیش کرتے ہیں۔ انجیل اول کے الفاظ پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کرتا ہے کہ وہ اُوپر سے بھی صاف ہو جائیں"۔ کے سامنے انجیل سوم کے الفاظ "اندر کی چیزیں خیرات کردو تو دیکھو سب کچھ تمہارے لئے پاک ہوگا"۔ ایک عجیب اور پیچیدہ معمہ سا دکھائی دیتا ہے۔

جرمن نقاد ولہاسن کا خیال ہے کہ

"مقدس لوقا کی انجیل میں کاتب نے غلطی سے "دَکو" بمعنی "پاک کرو" کی بجائے "زکو" بمعنی "خیرات کرو" لکھ لیا"۔

اس نقاد کے مطابق اس آیہ شریفہ میں لفظ "دَکو" تھا اور اصل متن یہ تھا کہ "اندر کی چیزوں کو پاک کرو تو دیکھو تمہارے لئے سب پاک ہوگا"۔

ڈاکٹر ٹوری ولہاسن کے لفظ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ارامی حروف مذکورہ بالا الفاظ کے پہلے حروف جن کو اردو میں "و" اور "ز" سے لکھا گیا ہے۔ آسانی سے خلط ملط نہیں ہو سکتے۔ لہذا کاتب یہ غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ علاوہ ازیں لفظ "زکو" ارامی لفظ نہیں بلکہ خالص عربی لفظ ہے جو کنعان کی ارامی بولی میں نہیں تھا۔ اُردو خوان ناظرین اس نکتہ کو سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ لفظ "زکواتہ" سے بخوبی واقف ہیں۔ ٹوری صاحب کہتے ہیں کہ اصل ارامی متن میں لفظ صَدقہ بمعنی "صداقت" سے کام لو" تھا۔ جس کو یونانی کے مترجم نے صدقہ بمعنی "خیرات" پڑھ کر غلط ترجمہ یونانی میں کر دیا۔ اُردو خوان ناظرین صداقت بمعنی سچائی اور صدقہ بمعنی خیرات سے واقف ہیں اور اس نکتہ کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ پس آیہ شریفہ کا ڈاکٹر ٹوری کے مطابق صحیح ترجمہ یہ ہے "جو (تمہارے) اندر ہے اُس کو درست کرو۔ تو سب کچھ تمہارے لئے پاک ہوگا"۔

لوقا۱۱:۴۸

"انہوں نے (تمہارے باپ دادا نے) اُن نبیوں کو قتل کیا تھا۔ اور تم اُن کی قبریں بناتے ہو"۔

اگر اس آیت کا مقدس متی کی انجیل (متی ۲۳:۲۹تا۳۱) سے مقابلہ کریں تو سیدنا مسیح کے اس قول کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ کہ "تم تو نبیوں کی قبریں بناتے ہو اور تمہارے باپ دادا نے اُن کو قتل کیا تھا"۔ (آیت ۴۷) پس ان کی قبریں بنانے سے تم اپنے باپ دادا کے طرزِ عمل سے بیزاری کا اظہار کرتے ہو۔ اور کہتے ہو "اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانہ میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں اُن کے شریک نہ ہوتے" (متی ۲۳:۳۰)۔ لیکن آیت ۴۸ میں لکھا ہے کہ "تم گواہ ہو، اور اپنے باپ دادا کے کاموں کو پسند کرتے ہو۔ کیونکہ اُنہوں نے قتل کیا تھا اور تم اُن کی قبریں بناتے ہو" (لوقا ۱۱:۴۸)!!

انجیل اول و سوم کی مذکورہ بالا آیات کی تفاوت سے ظاہر ہے کہ یہ آیہ زیر بحث میں سیدنا مسیح کا منشا یہ نہ تھا کہ "تم نبیوں کی قبریں بناتے ہو"۔ علاوہ ازیں اس آیت میں الفاظ "ان کی قبریں" کسی یونانی لفظ کا ترجمہ نہیں[1] بلکہ آیت کو سمجھنے کے لئے یہ لفظ انگریزی اور اُردو ترجموں میں ایزاد (اضافہ) کئے گئے ہیں۔ یونانی متن کے سامنے سوال پیدا ہوا کہ کیا بناتے ہو؟ اور اس نے آیت ۴۷ سے لفظ "قبریں" لے کر آیت کو پورا کر دیا۔ لیکن قبروں کے بنانے سے جیسا مقدس متی میں وارد ہوا ہے۔ ناپسندیدگی کا اظہار مقصود تھا نہ کہ پسندیدگی کا۔

پس یونانی متن میں صرف لفظ "بنانا" آیا ہے۔ پروفیسر ٹوری کہتا ہے کہ اس مقام میں اصل ارامی لفظ "بنین" بہ معنی "اولاد یا بچے" تھا۔ لیکن یونانی متن کے مترجم نے اس لفظ کو بنین "بہ معنی "بنانا سمجھ لیا۔ جس کی وجہ سے آیہ شریفہ کے سمجھنے میں دقت پیدا ہوتی ہے۔ اُردو خوان ناظرین لفظ "بنی" بہ معنی اولاد اور لفظ "بناء" بہ معنی بنانا سے واقف ہیں اور اس نکتہ کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ پس ڈاکٹر ٹوری کے مطابق اس آیہ کا شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے "اُنہوں نے ان کو قتل کیا تھا اور تم (بھی تو) انہی کی اولاد ہو اسی لئے خدا کی حکمت نے کہا ہے۔۔۔۔ الخ۔

لوقا ۱۶:۱۶۔ متی ۱۱:۱۲

"شریعت اور انبیا یوحنا تک رہے۔ اُس وقت سے خدا کی بادشاہت کی خوشخبری دی جاتی ہے اور ہر ایک زور مار کر اُس میں داخل ہوتا ہے"۔

آنخداوند کا مطلب یہ ہے کہ یوحنا کی آمد تک صرف موسوی شریعت اور انبیاء اللہ ہی اہل یہود کے رہنما تھے۔ لیکن اب آپ کی آمد سے دنیا میں ایک نئی چیز یعنی خدا کی بادشاہت آگئی ہے۔ لیکن لوگ اُس سے کس قسم کا سلوک کرتے ہیں؟ اس سوال کا جواب (متی ۱۱: ۱۲) میں ہے، کہ خدا کی بادشاہت کا مقابلہ کیا جاتا ہے اور زور آور شخص اُس کے نمائندوں پر تند ہاتھ ڈالتے ہیں۔ یوحنا کو قتل کیا گیا اور میرے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے گا (متی ۱۷:۱۲)۔

[1] West Cott and Host, Greek New Testament.

لیکن موجودہ ترجمہ سیدنا مسیح کا یہ مطلب ادا نہیں کرتا۔اس کے برعکس اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ جوق در جوق خدا کی بادشاہت میں زور مار کر داخل ہوتے ہیں۔جو آپ کے منشاء کے خلاف ہے۔علاوہ ازیں یہ ترجمہ (متی ۱۱: ۱۲) کے متضاد ہے۔

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ یونانی متن ایک ارامی لفظ کا غلط ترجمہ ہے جو اعراب کی تبدیلی کی وجہ سے وجود میں آیا ہے۔اگر مترجم اُسی لفظ کے اعراب کو صحیح طور پر پڑھتا تو اس کا صحیح ترجم یہ ہوتا "شریعت اور انبیاء یوحنا تک رہے اس وقت سے خدا کی بادشاہی کی خوشخبری دی جاتی ہے۔اور ہر ایک اس سے زور آزمائی کرتا ہے"۔یہ ترجمہ (متی ۱۱: ۱۲) کے مطابق بھی ہے۔

لوقا ۲۴: ۳۲

کیا ہمارے دل جوش سے نہ بھر گئے تھے"۔

یہ تمام واقعہ (لوقا ۲۴: ۱۳ سے ۳۵) ثابت کرتا ہے کہ اماؤس کی راہ پر دونوں شاگردوں نے آنخداوند کو نہ پہچانا۔کیونکہ اُن کی آنکھیں بند" تھیں (آیت ۱۶) لیکن زیر بحث ترجمہ کہتا ہے کہ راہ میں ہی ان کے دلوں کے جذبہ نے ان کو بتلا دیا تھا کہ اُن کا ساتھی کون ہے؟ عبرانی اور ارامی زبانوں میں لفظ دل سے عموماً مراد "ذہن" لی جاتی ہے۔پس دونوں شاگردوں کا در حقیقت مطلب یہ تھا کہ جب آنخداوند اُن سے گفتگو فرما رہے تھے تو اُن کی سمجھ پر پتھر پڑ گئے تھے (آیت ۲۵) اور اُن کے ذہن ایسے کند اور سست ہو گئے تھے کہ وہ آپ کی شناخت بھی نہ کر سکے۔دونوں شاگرد اپنے آپ کو غبی (کم عقل) ہونے کی وجہ سے ملامت کرتے تھے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ اناجیل کے قدیم ترین تینوں شامی ترجموں میں "ہمارے دل جوش سے بھر گئے تھے"۔کی بجائے الفاظ "ہمارے ذہن کند ہو گئے تھے"۔پائے جاتے ہیں۔حالانکہ ان شامی مترجموں کے سامنے یونانی متن موجود تھا جس سے وہ ترجمہ کر رہے تھے۔ڈاکٹر ٹوری کا خیال ہے کہ یہاں ارامی لفظ یقیر "معنی "کند، غبی یا سست تھا جس کو یونانی مترجم نے بقید بمعنی جوش پڑھ کر غلط یونانی ترجمہ کر دیا۔پس اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے "انہوں نے آپس میں کہا کہ جب وہ راہ میں ہم سے باتیں کرتا اور ہم پر نوشتوں کا بھید کھولتا تھا تو کیا ہمارے ذہن (سچ مچ) کند نہ ہو گئے تھے۔(کہ ہم اس کو پہچان بھی نہ سکے)؟

یوحنا ۶: ۲۱

"پس وہ اُسے کشتی پر چڑھا لینے کو راضی ہوئے"۔

موجودہ ترجمہ نہایت عجیب اور حیران کن ہے۔آنخداوند جھیل کے پانی پر چلتے ہیں۔شاگردوں کی ڈر کے مارے جان نکلی جاتی ہے۔سیدنا مسیح اُن کو ڈھارس دے کر فرماتے ہیں۔"میں ہوں، ڈرو مت۔پس وہ اسے کشتی پر چڑھا لینے کو راضی ہوئے"! ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ یہاں اصل ارامی لفظ" ب، ع، و" تھا۔یونانی متن کے مترجم نے "بعو" بمعنی راضی ہونا پڑھ کر موجودہ ترجمہ کر دیا۔لیکن یہ لفظ در حقیقت "بُعو" تھا جس کے معنی ہیں فرطِ

انبساط (انتہائی شادمانی) سے خوش اور مسرور ہونا۔ "پس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہوا" میں ہوں، ڈرومت پس وہ اسے کشتی میں چڑھا کر نہایت مسرور ہوئے" یہی لفظ "بعُو" (استثنا ۲۸: ۶۳۔ زبور ۱۹: ۱۵ امثال ۲: ۱۴۔ یرمیاہ ۲۲: ۴۱، حبقوق ۳: ۱۴۔) میں وارد ہوا ہے۔

یوحنا ۱۰: ۷

"بھیڑوں کا دروازہ میں ہوں جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں"۔

موجودہ ترجمہ میں مفسرین کو یہ مشکل پڑتی ہے کہ اس سے پہلے کی آیات میں جب سیدنا مسیح نے سامعین سے دروازہ "بھیڑ خانہ" دربان کا دروازہ کھولنا وغیرہ کی تمثیل فرمائی اور وہ تمثیل کو نہ سمجھے تو مقدس یوحنا کے مطابق سیدنا مسیح نے اس تمثیل کو واضح کرنے کی خاطر ان سے فرمایا کہ "بھیڑوں کا دروازہ میں ہوں"۔ لیکن اس استعارہ سے مندرجہ بالا تمثیل پر روشنی نہیں پڑتی بلکہ یہ استعارہ دماغی الجھن اور کوفت پیدا کر دیتا ہے۔ آپ کے سامعین تو یہ سمجھ گئے کہ "چور اور ڈاکو" سے آپ کی مراد اُن فقیہوں فریسیوں اور صدوقیوں سے تھی"۔ جو آپ کے مخالف تھے (متی ۷: ۱۵۔ ۲۳ باب، ۱۱: ۵۴ وغیرہ) جن میں سے بعض وہاں کھڑے بھی تھے اور جو آپ کے خون کے پیاسے تھے۔ وہ اچھے چرواہے نہ تھے۔ کیونکہ ان نام نہاد لیڈروں نے اہل یہود کے خیالات کو اپنی من مانی تفسیروں اور تاویلوں سے ایسا کر دیا تھا کہ جب مسیح موعود آئے تو بھیڑیں اپنے اصلی چرواہے کو نہ پہچان سکیں۔ (حزقی ایل ۳۴: ۱تا۱۶۔ یرمیاہ ۲۳: ۱تا۴ وغیرہ)۔ لیکن یہ سامعین "دروازہ" کے استعارہ سے نہ آشنا تھے پس وہ "نہ سمجھے کہ یہ کیا باتیں ہیں۔ جو وہ اُن سے کہتا ہے" (آیت ۶)۔ اس پر سیدنا مسیح اُن کو اپنا مطلب سمجھانا چاہتے ہیں۔ لیکن آیت کے موجودہ ترجمہ کے مطابق سمجھنے کی بجائے اُن کی مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ٹوری کہتا ہے کہ آیت سات میں یونانی مترجم اصل ارامی الفاظ نہیں سمجھا۔ جس کا نتیجہ یہ غلط ترجمہ ہے۔ چنانچہ اصل ارامی الفاظ یہ ہیں "اَناتِ خار حوان دِانا"۔ لیکن ارامی حروف کی غلط تقسیم کر کے یونانی مترجم ان کو "اَنا تارَ خون دِانا" پڑھ گیا۔ اورت کو مشدد کر گیا۔ جس کا ترجمہ ہو گیا "میں بھیڑوں کا دروازہ ہوں" لیکن اصل ارامی الفاظ کا ترجمہ "میں بھیڑوں کا چرواہا ہوں"۔ بعد میں آیت ۹ کو آیت ۷ کے خاطر ایزاد (اضافہ) کر دیا۔ جس طرح (مرقس ۹: ۴۹) کو سمجھانے کی خاطر اُس میں الفاظ ایزاد کر دئے گئے تھے۔ پس آیت ۹ کو حذف کر دینا چاہیے۔

لہذا ڈاکٹر ٹوری کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے "بھیڑوں کا چرواہا میں ہوں"۔ ڈاکٹر بلیک بھی اس ترجمہ کی حمایت کر کے کہتے ہیں کہ ڈاکٹر ٹوری کی مجوزہ ارامی عبارت سادہ اور قدرتی ہے۔ جب "ت" کو رد کر دیا جائے۔ تو اس کا یونانی ترجمہ وہی ہوتا ہے۔ جو متن میں ہے [1]۔

ڈاکٹر ٹوری کا ترجمہ اناجیل کے سحیدی ترجمہ کے مطابق بھی ہے۔ ڈاکٹر موفٹ کے خیال میں صحیح ہے۔ چنانچہ آپ اس کا یہی ترجمہ کرتے ہیں [2]۔

[1] Black, Aramaic Approach p.193 Note
[2] Moffat, New Translation of N.T

یوحنا۱۴:۲

"میرے گھر میں بہت سے مکان ہیں اگر نہ ہوتے تو میں تم سے کہہ دیتا کیونکہ میں جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے جگہ تیار کروں"۔

موجودہ ترجمہ کے مطابق آیت کا دوسرا حصہ "اگر نہ ہوتے۔۔۔۔ جگہ تیار کروں"۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ پس بعض مفسرین اس کو سوالہ فقرہ سمجھ کر کہ "اگر نہ ہوتے تو میں تم سے کہہ نہ دیتا؟" اس کی تاویل کرتے ہیں دیگر علماء مختلف طریقوں سے اس مشکل کو حل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ یہاں بھی یونانی مترجم نے ارامی الفاظ کو غلط پڑھ کر ان کے حروف کی غلط تقسیم کی ہے۔ اور یہ امر تمام مشکلات کی اصل وجہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں اصل ارامی الفاظ "والِا" تھے۔ جس کے معنی ہیں "یہ واجب ہے" یا "یہ اچھا ہے لیکن یونانی مترجم نے ان کو "وِالا" پڑھا جس کے معنی ہیں "اگر ایسا نہ ہوتا" چنانچہ فارسی اور عربی تراجم میں بھی موجودہ یونانی متن کا ترجمہ "وَالا بہ شما ہے گفتم "وَالا فَانی کنت قُد قلت لکم کیا گیا ہے اور ناظرین آسانی سے دیکھ سکتے ہیں کہ "وَالا کس طرح وَالا" ہو گیا۔

پس ڈاکٹر ٹوری کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے "میرے باپ کے گھر میں بہت سے مکان ہیں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ اچھا ہے کہ میں جا کر تمہارے لئے جگہ تیار کروں"۔

پس اس آیت کے دوسرے حصہ کے الفاظ کا وہی مفہوم ہے "میرا جانا تمہارے لئے فائد مند ہے"۔ جہاں "اچھا آئے" فائدہ مند" یا مفید ترجمہ کیا گیا ہے۔

پس چودھواں باب یوں شروع ہوتا ہے:

"تمہارا دل نہ گھبرائے۔ تم خدا پر ایمان رکھتے ہو مجھ پر بھی ایمان رکھو۔ میرے باپ کے گھر میں بہت سے مکان ہیں میں تم سے کہتا ہوں کہ یہ اچھا ہے کہ میں جا کر تمہارے لئے جگہ تیار کروں"۔

یوحنا۱:۱۸

"خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے۔ اُسی نے ظاہر کیا"۔

قدیم زمانہ ہی سے اس آیت کے الفاظ زیر بحث رہے ہیں۔ اس آیت دو امور غور طلب ہیں۔

اول: جب سیدنا مسیح دنیا میں تھے تو وہ "باپ کی گود" میں تھے۔ کیوں کہ آپ نے تجسم اختیار کر لیا ہوا تھا۔ لیکن اس آیہ شریفہ میں زمانہ حاضر استعمال ہوا ہے۔ "جو باپ کی گود میں ہے" اس زمانے کا کیا مطلب ہے؟

پروفیسر ٹوری کہتے ہیں کہ یونانی متن کا مترجم اصل ارامی الفاظ کو خلط کرنے کی وجہ سے غلطی کر گیا۔ یہ غلطی ارامی لفظ ھو (جو اسم واحد غائب ہے) میں اور ھوا (بمعنی "جو تھا") میں تمیز نہ کرنے سے ہے۔ مقدم الذکر لفظ زمانہ حاضر کے لئے استعمال ہوتا ہے دوسرے لفظ کا تعلق زمانہ ماضی سے ہے۔ مترجم نے اس مقام پر لفظ "ھوا" کو "ھو" پڑھ لیا۔ پس اس جگہ صحیح الفاظ "گود میں ہے" نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کی بجائے صحیح الفاظ "گود میں تھا"۔ ہونے چاہیں۔ اور ترجمہ یہ ہے "اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں تھا"۔

دوم: "اکلوتا بیٹا" بعض یونانی نسخوں اور قدیم ترجموں میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ لیکن دیگر قدیم ترین یونانی نسخوں میں اُن کی بجائے "اکلوتا خدا" لکھا ہے اور یہ نسخے معتبر قسم کے ہیں۔ سُریانی ترجمہ (ریوائزڈ) میں بھی اس مقام پر "اکلوتا خدا" آیا ہے۔ دونوں قرات یعنی "اکلوتا بیٹا" اور "اکلوتا خدا" دوسری صدی کے نسخوں میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر مافٹ اس کا یوں ترجمہ کرتے ہیں[1]

"خدا کو اکلوتے بیٹے نے ظاہر کیا ہے۔ جو الٰہی (صفات سے متصف) ہے"۔

ڈاکٹر لیمز انگریزی ترجمہ پشتیہ کا ترجمہ ہے۔ اس میں لکھا ہے

"خدا کے پہلوٹھے نے جو باپ کی گود میں ہے۔ اس کو ظاہر کیا ہے"

ڈاکٹر ٹوری اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں

"کے اکلوتے بیٹے نے جو باپ کی گود میں تھا۔ اُس کو ظاہر کیا ہے"۔

یوحنا ۳:۱۳

"آسمان پر کوئی نہیں چڑھا سوا اُس کے جو آسمان سے اُترا یعنی ابن آدم جو آسمان میں ہے"

موجودہ یونانی متن کے زمانہ حال نے "جو آسمان میں ہے" قدیم سے مفسروں کو سرگرداں کر رکھا ہے۔ حتیٰ کہ اس مشکل کی وجہ سے یہ الفاظ بعض قدیم ترین معتبر نسخوں میں پائے نہیں جاتے۔ چنانچہ وسٹکٹ ہارٹ نے بھی ان کو اپنی ایڈیشن سے خارج کر دیا ہے[2]۔ بعض مفسر اس حصے کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ[3] ابن آدم گو زمین پر ہے لیکن اس کا دل اور اصلی رہائش آسمان میں ہے بعض کہتے ہیں کہ انجیل نویس کا یہ مطلب تھا کہ اب اس وقت جب میں انجیل چہارم لکھ رہا ہوں ابن آدم آسمان میں ہے۔

[1] Moffat, New Translation of the New Testament, also Good Speech New Testament lomsa, The Four Gospels according to the Eastern Version
[2] West Cott and Hart, the New Testament in Greek.
[3] Plummer, St. John (Cambridge Bible)

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ اس آیہ شریفہ کے آخری حصہ میں بھی یونانی متن کے مترجم نے ارامی الفاظ ھوااور ھو کو خلط ملط کر دیا ہے۔ یہاں مترجم نے ارامی لفظ "ھوا (بمعنی جو تھا) کی بجائے لفظ ھو پڑھ لیا۔ جس کا تعلق زمانہ حاضرہ سے ہے۔

ڈاکٹر ٹوری کے ترجمہ سے آیہ شریفہ میں کسی قسم کی مشکل نہیں رہتی۔ چنانچہ آیت کا ترجمہ یہ ہوگا "آسمان پر کوئی نہیں چڑھا۔ سوا اُس کے جو آسمان سے اُترا یعنی ابن آدم جو آسمان پر تھا"۔

یہ ترجمہ نہ صرف سیدھا سادھا ہے جو کسی تاویل کا محتاج نہیں بلکہ آیات ۱۱، ۱۲ کے مفہوم کو واضح کر دیتا ہے۔

مرقس ۹:۲۹

"یہ قسم دعا کے سوا کسی اور طرح نہیں نکل سکتی"۔

اس ترجمہ میں مشکل یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ نے شاگردوں کو "ناپاک روحوں پر اختیار بخشا" تھا۔ (مرقس ۳:۱۵۔۶:۷) اور اُنہوں نے مختلف مقامات میں "بہت سی بدروحوں کو نکالا" بھی تھا (مرقس ۶:۱۳) پھر کیا وجہ ہے کہ نو کے نو شاگرد اس خاص ناپاک روح کو نکال نہ سکے؟

علاوہ ازیں اس آیت سے اور مقدس متی کی انجیل سے ظاہر ہے کہ سیدنا عیسیٰ کے شاگردوں میں دعا کی کسر نہ تھی۔ بلکہ ایمان کی کسر تھی۔ اُن کے ناپاک روح کو نہ نکال سکنے کی وجہ ان کی اور لڑکے کے باپ کی بے اعتقادی تھی۔ (مرقس ۹:۳۳۔ متی ۱۷:۲۰)۔ علاوہ ازیں اس مقام پر آنخداوند شاگردوں کو دعا نہ کرنے کے لئے ملامت فرماتے ہیں۔ جو ان کی بے اعتقادی کا نتیجہ تھی۔

یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سیدنا عیسیٰ اس خاص بدروح کو نکالنے سے پہلے خود بھی دعا مانگتے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے نکالنے اور دعا مانگنے میں لازم وملزوم کا تعلق نہیں ہے۔ ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ یہ مشکل یونانی مترجم کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ اس مقام میں درحقیقت ارامی لفظ اِلا (بمعنی "سوائے") نہیں لکھا تھا۔ بلکہ ارامی متن میں اس مقام پر لفظ اپ لا (بمعنی "سے بھی") تھا۔ یونانی مترجم ارامی حروف کے یکساں ہونے کی وجہ سے یہ غلطی کر گیا۔ پس اس عالم کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے: "یہ قسم دعا سے بھی کسی طرح نہیں نکل سکتی"۔

مرقس ۱۵:۲۱۔ لوقا ۲۳:۲۶۔ متی ۲۷:۳۲

"شمعون نام ایک قرینی آدمی سکندر اور روفس کا باپ دیہات سے آتے ہوئے اُدھر سے گذرا"۔

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ یونانی مترجم نے اس جگہ قروائی کی واؤ کو غلطی سے نون پڑھ کر قرنائی لکھ دیا ہے۔ پس اس فاضل مصنف کے خیال میں اس آیہ شریفہ میں لفظ قرنائی بمعنی قرینی نہیں تھا۔ بلکہ قروائی بمعنی دیہاتی یا کسان تھا۔ چنانچہ مقدس متی اور مقدس مرقس دونو لکھتے ہیں کہ "شمعون دیہات سے آتے ہوئے اُدھر سے گزرا"۔ ان آیات سے ڈاکٹر ٹوری صاحب کے خیال کی تصدیق اور تائید ہوتی ہے۔

جب صلیبی واقعہ کے دس سال بعد انجیل مرقس لکھی گئی تو شمعون کے بیٹے مسیحی کلیسیا کے "برگزیدہ" رکن تھے۔ جب مقدس پولوس نے اپنا خط رومیوں کو لکھا تو اس خاندان کے چند شرکاء روم میں اقامت گزیں تھے۔ چنانچہ رسول مقبول روفس اور اس کی ماں کو سلام بھیجتے ہیں (رومیوں ۱۶: ۱۳)۔ پس ڈاکٹر ٹوری صاحب کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

"شمعون نام ایک کسان سکندر اور روفس کا باپ دیہات سے آتے ہوئے اُدھر سے گذرا"۔

یوحنا ۱: ۱۵

"یوحنا نے اس کی بابت گواہی دی کہ جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے مقدم ٹھہرا کیونکہ وہ مجھ سے پہلے تھا"۔

پروفیسر برنی کہتے ہیں کہ اس آیہ شریفہ کی ارامی عبارت کا صحیح ترجمہ یوں ہونا چاہیے۔ وہ جو میرے بعد آرہا ہے مجھ سے مقدم ہوگا۔ کیونکہ وہ (سب سے) قدیم تھا۔ یعنی وہ "ابتدا" میں تھا۔ یہاں ارامی الفاظ "قدامئے اور "قدمے" استعمال کئے گئے تھے۔ جو ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ انجیل نویس نے اس صنعت کو استعمال کر کے مقدس یوحنا اصطباغی اور کلمۃ اللہ میں فرق دکھایا ہے۔

یوحنا ۲۰: ۲

"وہ (مریم مگدلینی) دوڑی ہوئی گئی۔ اور اُن (شاگردوں) سے کہا۔ کہ خداوند کو قبر سے نکال لے گئے اور ہمیں معلوم نہیں کہ اُسے کہاں رکھ دیا"۔

اس انجیل کے مطابق "مریم مگدلینی قبر پر اکیلی گئی تھی (پہلی آیت) لیکن دوسری آیت کے آخر میں وہ صیغہ جمع "متکلم" "ہمیں" استعمال کرتی ہے۔ ڈاکٹر برنی کہتے ہیں[1] کہ یہاں ارامی الفاظ "لایادِانا" تھے۔ جن کو یونانی متن کے مترجم نے غلطی سے "لائیدنا" پڑھ لیا۔ مقدم الذکر فعل واحد متکلم صیغہ مونث ہے۔ جس کے معنی ہیں "میں نہیں جانتی" لیکن موخر الذکر فعل جمع متکلم ہے جس کے معنی ہیں "ہم نہیں جانتے ہیں" پس اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

"میں نہیں جانتی کہ اسے کہاں رکھ دیا"۔

لوقا ۱۳: ۳۱ سے ۳۳

"دیکھ میں آج اور کل بدروحوں کو نکالتا اور شفا دینے کا کام انجام دیتا رہوں گا۔ اور تیسرے دن کمال کو پہنچوں گا۔ مگر مجھے آج اور کل اور پرسوں اپنی راہ جانا ضروری ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلیم سے باہر ہلاک ہو"۔

[1] Aramaic Origin Ch.7

موجودہ ترجمہ کہ مطابق آیت ۳۲،اور ۳۳میں تضاد ہے۔آیت ۳۲میں آنخداوند فرماتے ہیں کہ "آپ "آج اور کل "اپنا کام انجام دیں گے۔ لیکن آیت ۳۳میں ہے۔کہ آپ کوانہی دنوں میں "اپنی راہ جاناضرور ہے"۔

موجودہ ترجمہ کے مطابق الفاظ "اپنی راہ جاناضرور ہے "کامطلب بھی صحیح طور پر واضح نہیں۔عبرانی اورارامی محاورہ کے مطابق ان الفاظ کا مطلب آپ کی صلیبی موت ہے(یوحنا۸:۲۱۔مرقس ۱۴:۲۱۔متی ۲۶:۲۴۔لوقا ۲۲:۲۳۔ایوب ۳۳:۱۸وغیرہ)۔

علاوہ ازیں الفاظ "کمال کو پہنچوں گا"موجودہ سیاق وسباق میں موزوں نہیں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مختلف مفسرین ان کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں [1] ۔اور دورِ حاضرہ کے مترجمین ان الفاظ کے مختلف ترجمے کرتے ہیں ولہاسن ان آیات میں سے الفاظ "اور تیسرے دن کمال کو پہنچوں گا "مگر آج اور کل "کوخارج کردیتاہے تاکہ ان آیات کامطلب نکل آئے۔

ہمیں یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ الفاظ "کمال کو پہنچوں گا اناجیل اربعہ کے کسی اور مقام میں منجی عالمین کی صلیبی موت کے لئے استعمال نہیں ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ ارامی زبان میں ارامی الفاظ کا ترجمہ "کام انجام دینا"(لِعِبدَ)اور "راہ جانا"(لِعبَر)ہیں ان میں صرف حروف "د"اور "ر"کافرق ہے جومشابہ ہونے کی وجہ سے اکثرایک دوسرے کی بجائے لکھے جاتے ہیں۔اسی طرح ارامی زبان کے الفاظ "(مشلم) بمعنی "کمال کو پہنچوں گا"۔۔۔اور مشلم ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں۔یونانی مترجم نے ان ارامی الفاظ کو خلط ملط کردیاہے۔جس کی وجہ سے ان آیات کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔

ڈاکٹر بلیک [2] کہتے ہیں کہ الفاظ "آج اور کل اور پرسوں "شامی زبان میں ایک محاورہ ہے جس سے مراد کوئی خاص دن یازمانہ نہیں بلکہ غیر معین وقت ہوتاہے(ہوسیع ۶:۲)مقام زیر بحث میں بھی کوئی خاص دن مراد نہیں ہیں جن الفاظ کا "آج اور کل "ترجمہ ہواہے وہ ارامی زبان میں "یوم دن ویوم اخر "ہیں۔جن سے مراد صرف "یوم بہ یوم "ہوتی ہے اور آنخداوند کا مطلب ہے کہ میں بدروحوں کا نکالتاہوں اور یوم بہ یوم شفابخشتاہوں"۔یہی الفاظ دعائے ربانی میں بھی استعمال ہوئے ہیں۔"ہبہ لنالحم "(ہمیں روٹی دے)"یوم دن یوم اخر "(یوم بہ یوم)یعنی ہمیں یوم بہ روٹی دے۔

پس ڈاکٹر بلیک کے مطابق مذکورہ بالاآیات کا ترجمہ یہ ہے:

دیکھ میں بدروحوں کو نکالتاہوں اور یوم بہ یوم شفابخشنے کا کام انجام دیتاہوں۔لیکن میں ایک دن جلدی کمال کو پہنچوں گا۔مگر یہ ضرور ہے کہ میں یوم بہ یوم کام کروں اور ایک دن جلدی جاؤں"۔

[1] Farrar, St Luke (Cambridge Bible)
[2] Black, An Aramaic Approach the Gospels and Act pp.151.153

ڈاکٹر ٹوری کے مطابق ان آیات کا ترجمہ یہ ہے:

"دیکھ میں آج اور کل بدروحوں کو نکالنے اور شفا بخشنے کا کام انجام دیتا رہوں گا۔ اور تیسرے دن پکڑوایا جاؤں گا۔ کیونکہ یہ ضرور ہے کہ میں آج اور کل کام کروں مگر پرسوں مجھے اپنی راہ پر جانا ضرور ہے"۔

یوحنا ۱۳: ۳۱تا۳۲

"جب وہ باہر چلا گیا تو یسوع نے کہا کہ اب ابن آدم نے جلال پایا اور خدا نے اُس میں جلال پایا اور خدا بھی اسے اپنے میں جلال دیگا بلکہ فی الفور اسے جلال دیگا"۔

ان آیات میں الفاظ "جلال پانا" اور "جلال دینا" چار دفعہ وارد ہوئے ہیں۔ لیکن ان الفاظ کے اعادہ سے آیات کے معنی واضح نہیں ہوتے۔ پس قدیم زمانہ سے ہی مفسرین ان آیات کی طرح بطرح تاویل کرتے چلے آئے ہیں لیکن کسی کو نمایاں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔

ڈاکٹر ٹوری کہتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کے موجودہ قدیم ترین نسخوں کی نقل سے بھی پہلے کسی کاتب نے آیت ۳۲ کے یونانی الفاظ کے "یوتھیوس" بمعنی "اوری فی الفور" کو" کے "ہوتھیوس" بمعنی "اور خدا" لکھ دیا۔ کتابت یہ غلطی آیت ۳۱ کے آخری الفاظ کی وجہ سے غالباً سرزد ہوگئی۔ اگر ڈاکٹر ٹوری کا یہ قیاس درست ہے تو ان آیات کا متن یہ ہے:

"جب وہ باہر چلا گیا تو یسوع نے کہا کہ اب ابن آدم نے جلال پایا اور خدا نے اس میں جلال پایا اور وہ (ابن آدم) اب فی الفور اپنے میں اُس (خدا) کو جلال دے گا"۔

اگر یہ درست ہے تو اس آیہ شریفہ کا یہ مطلب ہوگا کہ سیدنا مسیح اعلان فرماتے ہیں کہ عنقریب آپ اپنی ہی جان کو قربان کر کے خدا کا جلال ظاہر کرنے والے ہیں۔ اس قیاس کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ الفاظ "اب میں" ایک عبرانی اور ارامی محاورہ ہے جس کے معنی "اپنی جان" کے ہیں۔ بعید یہی محاورہ (۱۔ سلاطین ۲: ۲۳) میں ہے جہاں لکھا ہے "تب سلیمان بادشاہ نے قسم کھائی اور کہا کہ اگر ادونیاہ نے یہ بات اپنی ہی جان کے خلاف نہیں کہی تو خدا مجھ سے ایسے ہی بلکہ اس سے زیادہ کرے"۔

پس آنخداوند اس آیہ شریفہ میں اپنی موت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ لیکن سامعین آپ کی اس رمز کو نہ سمجھے۔ جس طرح وہ خداوند کے دیگر اشارات اور کنایات کو نہیں سمجھتے تھے جن کا تعلق آپ کی صلیبی موت سے تھا (یوحنا ۳: ۱۴۔۸: ۲۸۔ ۱۲: ۳۲، ۳۳۔۱۸: ۳۲ وغیرہ)۔

پس ڈاکٹر ٹوری کے مطابق آیاتِ بالا کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

"جب وہ باہر چلا گیا تو یسوع نے کہا کہ اب ابن آدم نے جلال پایا اور خدا نے اس میں جلال پایا اور وہ اُس کو اپنی ہی جان سے جلال دے گا"۔

لوقا۲۱:۵

"اور جب بعض لوگ ہیکل کی بابت کہہ رہے تھے کہ وہ نفیس پتھروں اور نذر کی ہوئی چیزوں سے آراستہ ہے تو اسلئے کہا کہ وہ دن آئیں گے ۔۔۔۔کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے"۔

اس مقام میں "نذر کی ہوئی چیزوں" کا ذکر اس سیاق وسباق میں بے محل اور عجیب معلوم ہوتا ہے۔ سیدنا مسیح نے اپنے شاگردوں کے ساتھ بیت اللہ سے دور شہر کی دیوار سے باہر جا چکے تھے (مرقس ۱۳:۱۔ متی ۲۴:۱) اور "زیتون کے پہاڑ پر بیت اللہ کے سامنے (مرقس ۱۳:۲) بیٹھے تھے۔ غالباً اس وقت آفتاب غروب ہو رہا تھا اور اس کی آخری شعاعیں بیت اللہ کی دیواروں پر پڑ رہی تھیں۔ شاگرد عمارت کی حیرت سے دیکھ کر انگشت بدنداں ہو کر کہتے ہیں۔ "اے استاد دیکھ یہ کیسے کیسے پتھر اور کیسی عمارتیں ہیں (مرقس ۱۳:۱) کیونکہ ہیکل کی دیواروں کے پتھر بڑے قد کے تھے اور بعض چالیس مکعب فٹ لمبے اور دس فٹ اُونچے تھے۔ سنگ مرمر کی سُرخ وسفید سلیں یکے بعد دیگرے سلسلہ وار ترتیب سے لگی ہوئی ایک عجب نظارہ پیش کر رہی تھیں[1]۔ اس سیاق عبارت میں "نذر کی ہوئی چیزوں" کا ذکر بے جا اور غیر موزوں معلوم پڑتا ہے۔ ان چیزوں میں اگر پا کی طلائی زنجیر، ٹولومی فیلڈ فس اور اگستس اور ہیلن[2] کی نذر کی ہوئی چیزیں اور تاج، سپریں اور ڈھالیں اور بیش قیمت ساغر وجام وغیرہ دیگر بے بہا اشیاء تھیں[3]۔ جن کی وجہ سے ٹیسی ٹس (Tacitus[4]) کہتا ہے کہ "ہیکل بے شمار دولت کا خزانہ ہے"۔ لیکن ان بیش قیمت "نذر کی ہوئی چیزوں" کو تو شاگرد وہاں سے دیکھ بھی نہیں سکتے تھے بلکہ اگر وہ ہیکل کے اندر ہوتے تو وہاں بھی ان کی نظر ان اشیاء پر نہ پڑ سکتی تھی۔ علاوہ ازیں سیدنا مسیح کے جواب میں بھی جو اگلی آیت میں ہے "ان نذر کی ہوئی چیزوں" کا ذکر چھوڑ، اشارہ تک پایا نہیں جاتا۔

اس بناء پر ڈاکٹر ٹوری کا یہ خیال ہے کہ جس ارامی لفظ کا یہاں ترجمہ "نذر کی ہوئی چیزوں" کیا گیا ہے۔ وہ درحقیقت "قربانیں" نہیں تھا بلکہ "رُربانیں" تھا جس کے معنی "بڑے، کلاں، عظیم" ہیں۔ ارامی حروف تہجی میں حروف ق اور ر میں فرق نظر نہیں آتا۔ جس کی وجہ سے ارامی متن کے مترجم نے "رُربانیں" کو قربانیں" پڑھ کر "بڑے" لکھنے کے بجائے نذر کی ہوئی چیزیں" لکھ دیا ہے۔

پس ڈاکٹر ٹوری کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

"اور بعض لوگ ہیکل (بیت اللہ) کی بابت کہہ رہے تھے کہ وہ نفیس اور بڑے بڑے پتھروں سے آراستہ ہے تو اُس نے کہا کہ وہ دن آئیں گے ۔۔۔۔کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے"۔

یوحنا۱۴:۳۱ کا آخری حصہ

[1] Josephus B.J.V.
[2] Helen
[3] Josephus B.J.V. 5.4: 2 Macc 5.16 Josephus, Antiquities xiii 3.xv 11.3
[4] https://en.wikipedia.org/wiki/Tacitus

"اُٹھو۔ یہاں سے چلیں"۔

(یوحنا۱۴تا۱۶)ابواب میں آنخداوند مسیح کے آخری کلمات درج ہیں اور یہ کلمات مسلسل ہیں۔ لیکن (یوحنا۱۴: ۳۱)آیت کا یہ آخری حصہ اس سلسلہ کلام کو توڑ دیتا ہے جس کی وجہ سے نفسِ مضمون کے بیان میں خلل واقع ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں پندرھویں باب کے شروع میں یہ نہیں لکھا کہ آنخداوند اور آپ کے شاگرد ہیں چلے بھی گئے۔ بلکہ ان کے جانے کا ذکر (یوحنا۱۸: ۱) میں آتا ہے۔

ان دونوں مشکلوں کو حل کرنے کے لئے مفسرین نے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ انجیل کا یہ حصہ (ابواب ۱۵تا۱۶) بعد زمانہ کا ہے۔ بعض ابواب (۱۳تا۱۶) کی از سر نو تشکیل کر کے کہتے ہیں۔ کہ یہ ابواب یوں لکھے جانے چاہئیں (۱۳: ۱تا۳۰۔ ۱۵ باب۔ ۱۶ باب ۱۳: ۳۱تا۳۸۔ ۱۴ باب)۔ غرض یہ کہ (یوحنا۱۴: ۳۱) کا زیر بحث آخری حصہ مشکلات برپا کر دیتا ہے۔

علاوہ ازیں انجیل کے یونانی متن سے ظاہر ہے کہ اس آیہ شریفہ میں آنخداوند نے ایک بات شروع کی ہے جو ادھوری رہ گئی ہے۔ اور ختم ہونے نہیں پائی۔ وہ کون سی بات ہے جس سے دنیا جان لے گی کہ آنخداوند باپ سے محبت رکھتے ہیں؟ اس سوال کا جواب موجود نہیں۔

ایک اور امر قابل ذکر ہے۔ اگر الفاظ زیر بحث آیت ۳۱ کے آخر میں نہ ہوتے تو ۱۴ باب کے بعد پندرھویں باب کا آغاز ایک قدرتی امر نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ ان مشکلات کی اصل وجہ آیت کے اس حصہ کا غلط یونانی ترجمہ ہے۔ ارامی انجیل کے اس حصہ کے دونوں ارامی لفظوں میں حرف "الف" موجود تھا یعنی پہلے لفظ کے آخر میں "الف" تھا اور دوسرے لفظ کے شروع میں بھی "الف" تھا لیکن کاتب دونوں جگہ حرف "الف" لکھنے کی بجائے ایک "الف" کو نظر انداز کر یا گیا یعنی دو "الف" لکھنے کی بجائے صرف ایک "الف" لکھ گیا۔ جس کی وجہ سے ترجمہ یونانی میں عبارت کچھ سے کچھ ہو گئی۔ کتابت کی یہ غلطی ایک عام غلطی ہے۔ اس غلطی کی وجہ سے کاتب نے لفظ قوم لکھ دیا جو صیغہ جمع کا ہو گیا اور اس کا ترجمہ ہو گیا "اٹھو یہاں سے چلیں"۔ دراصل ارامی الفاظ کا ترجمہ یہ تھا "میں یہاں سے چلنے کو کھڑا ہوں"۔

اگر آیت کا یہ حصہ اس طرح پڑھا جائے تو کلمات کے تسلسل میں اور نفسِ مضمون میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا اور (ابواب ۱۴تا۱۶) ایک مسلسل صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ منجی عالمین فرماتے ہیں "تمہارا دل نہ گھبرائے میں جاتا ہوں۔ میں پھر آکر تم کو اپنے ساتھ لے لوں گا۔ میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تم کو تسلی دینے والا بخشے گا۔ میں تم کو اطمینان دئے جاتا ہوں۔ تمہارا دل نہ گھبرائے اور نہ ڈرے۔ میں نے تم سے کہا ہے کہ میں جاتا ہوں۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو اس بات سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں خوش ہوتے۔ اب وقت ہوتا ہے۔ اس دنیا کا سردار دروازہ پر ہے۔ میری موت کا وقت آگیا ہے۔ اس لئے کہ دنیا جان لے کہ میں باپ سے محبت رکھتا ہوں اور جس طرح باپ نے مجھے حکم دیا میں ویسا ہی کرتا ہوں میں یہاں سے جانے کو تیار کھڑا ہوں"۔ یعنی میں مرنے کو تیار ہوں"۔

مرقس ۶: ۸۔ (متی ۱۰: ۱۰۔ لوقا ۹: ۳)

"(یسوع نے بارہ کو) حکم دیا کہ راستے کے لئے سواءلاٹھی کے کچھ نہ لو۔ روٹی، نہ جھولی، نہ اپنے کمر بند میں پیسے"۔

جب ہم اس آیت کا انجیل اول اور سوم کے مذکورہ بالا مقامات سے مقابلہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان مقامات میں لاٹھی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ پس مختلف مفسر طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں۔

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت میں ارامی لفظ جس کے اردو میں معنی "سوا" کئے گئے ہیں۔ وہ "اِلا" نہیں تھا۔ بلکہ "لا" بمعنی "نہیں" تھا۔ اس عالم کے خیال کے مطابق لفظ "اِلا" کا پہلا حرف الف در حقیقت اس سے پچھلے ارامی لفظ کا حصہ تھا اور ہاں صرف لفظ "لا" تھا۔ لیکن یونانی مترجم نے اس حرف الف "کو "لا" کے ساتھ ملا کر "اِلا" پڑھا جس کا ترجمہ "سوا" ہو گیا۔ در حقیقت یہاں لفظ "لا" جس کا ترجمہ یہاں "نہیں" ہونا چاہیے۔

پس ڈاکٹر ٹوری صاحب کے مطابق اس آیہ شریفہ کا اصلی ترجمہ یہ ہے:

"اُس نے حکم دیا کہ راستے کے لئے کچھ نہ ہو۔ نہ لاٹھی نہ روٹی، نہ جھولی، نہ اپنے کمر بند میں پیسے"۔

یہ ترجمہ (متی ۱۰: ۱۰۔ اور لوقا ۹: ۳) کے مطابق بھی ہے۔

یوحنا ۳: ۳۳

"جس یوحنا (بپتسمہ دینے والے) نے اُس (آسمان سے آنے والے) کی گواہی قبول کی اُس نے اس بات پر مہر کر دی کہ خدا سچا ہے"۔

جب ہم اس آیہ شریفہ کے سیاق وسباق پر غور کرتے ہیں تو موجودہ ترجمہ کی خامی ہم پر عیاں ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اول وہ اس آیت کو غیر ضروری اور فضول بنا دیتا ہے۔ دوم۔ اس آیت کے ابتدائی الفاظ سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کے آخری حصہ کا نتیجہ نہایت مضبوط اور زبردست ہو گا لیکن موجودہ ترجمہ میں نتیجہ نہایت بودا اور کمزور ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت کے بعد جو عقیدہ درج ہے اس کا انحصار اس دلیل پر ہے جو زیر بحث آیت میں ہے لیکن دونوں میں کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔

جس حقیقت کا یہ آیت اعلان کرتی ہے وہ پر زور الفاظ سے شروع ہوتی ہے کہ ایک تنہا ایمان دار (یوحنا) نے اُس کی گواہی کو قبول کیا جو آسمان سے اُترا ہے اور اُس نے قبول کر کے اس بات پر مہر لگا دی ہے کہ خدا سچا ہے! اب غبی سے غبی شخص پر بھی ظاہر ہے کہ یہاں نتیجہ "خدا سچا ہے" بے محل ہے۔ کیونکہ جو شخص خدا پر ایمان لاتا ہے اس کو اس بات کے ماننے کے لئے کسی "مہر" کی ضرورت نہیں کہ "خدا سچا ہے"۔

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ ارامی میں اصل لفظ "اِلاہ" بمعنی ربانی یا سماوی) تھا لیکن یا تو ارامی نسخہ کے کاتب نے اس لفظ کے بعد ایک اور الف ایزاد کر دیا یا یونانی مترجم نے اس کو "اِلاہا" پڑھ لیا جس کے معنی "خدا" ہو گئے۔

پس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہوا:

"جس (یوحنا) نے اُس (آسمان سے آنے والے) کی گواہی قبول کی اُس نے اس بات پر مہر دی کہ وہ سچ مچ ربانی یا (سماو) ہے"۔

یہ ترجمہ نہ صرف ۳۴تا۳۴ آیت کے مفہوم کے مطابق ہے بلکہ سیاق وسباق اس کے خواہاں ہیں۔ یہ ترجمہ آیت ۳۵ کے الفاظ کے مطلب کو بھی روشن کر دیتا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ خدا نے اپنے مسیح کو روح ناپ کر نہیں بلکہ کامل اور اکمل طور پر عطا کی تھی۔

یوحنا۳:۳۴

"کیونکہ جسے خدا نے بھیجا ہے وہ خدا کی باتیں کہتا ہے۔ اس لئے کہ وہ روح ناپ ناپ کر نہیں دیتا"۔

گذشتہ آیت کی نسبت ہم نے بتلایا تھا کہ ڈاکٹر ٹوری کے مطابق اس سے پہلی آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

"جس (یوحنا) نے اس کو (آسمان سے آنے والے یعنی یسوع) کی گواہی قبول کی اس نے بات پر مہر دی کہ وہ (یسوع) سچ مچ ربانی (یا سماوی) ہے"۔

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ آیت ۳۴ میں جس ارامی لفظ کا ترجمہ "دیتا" کیا گیا ہے وہ "یہب" ہے۔ یونانی مترجم نے اس لفظ میں حرف "ی" پر "زبر" اور حرف "ہ" پر "زیر" لگا کر اس لفظ "کو یَہب" پڑھا۔ جس کی وجہ سے اس لفظ کا ترجمہ "دیتا" ہو گیا۔ ڈاکٹر موصوف کے خیال میں اس لفظ میں حرف "ی" پر "زیر" اور "ہ" پر "زبر" تھی۔ پس مترجم کو اسے "یِہب" پڑھنا چاہیے تھا۔ جو فعل ماضی ہے اور جس کا ترجمہ "دی" ہونا چاہیے تھا۔

پس ڈاکٹر موصوف کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح اُردو ترجمہ یہ ہے:

"کیونکہ جسے (یسوع کو) خدا نے بھیجا ہے وہ خدا کی باتیں کہتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے (یسوع کو) روح ناپ ناپ کر نہیں دی"۔

یوحنا۵:۴۴

"تم جو ایک دوسرے سے عزت چاہتے ہو اور وہ عزت جو خدائے واحد کی طرف سے ہوتی ہے یا نہیں چاہتے کیوں کر ایمان لا سکتے ہو؟"

اس مقام میں جیسا پروفیسر ذاہن کہتا ہے۔ الفاظ "خدائے واحد" موزوں نہیں ہیں۔ ابتدائی زمانہ کی قرات بھی اس مفسر کی حمایت کرتی ہے۔

اس سے پہلی آیت میں حقیقی مسیح موعود کا جو "باپ کے نام سے آتا ہے"۔ دیگر کاذب دعویداروں سے جو "اپنے ہی نام سے آتے ہیں" مقابلہ کیا گیا ہے۔ پس آیہ زیر بحث میں "خدائے واحد" کے الفاظ بے محل اور غیر موزوں ہیں کیونکہ وہ سیاق وسباق کے مطابق درست معلوم نہیں ہوتے۔

ڈاکٹر ٹوری کہتا ہے کہ یونانی مترجم نے جس ارامی لفظ کا ترجمہ اس آیت میں "خدائے واحد" کیا ہے وہی لفظ ہے جو (یوحنا۱:۱۸ اور ۳:۱۸) میں وارد ہوا ہے جہاں اس کا ترجمہ "اکلوتا بیٹا" کیا گیا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو اس آیہ شریفہ کا یہ مطلب ہے کہ دنیا کے لوگ کاذب دعویدارانِ مسیحیت

کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے سے عزت چاہتے ہیں۔ لیکن ان کے دلوں میں اُس عزت کو حاصل کرنے کی خواہش موجود نہیں جو حقیقی مسیح موعود اُن کو دیتا ہے۔

ڈاکٹر ٹوری کے مطابق مترجم کے سامنے جو ارامی نسخہ تھا، اس میں ان دو لفظوں میں سے (جن کا ترجمہ "خدائے واحد" کیا گیا ہے) حرف الف پہلے لفظ کے آخر میں اور دوسرے لفظ کے شروع میں تھا لیکن الف کو صرف دو لفظ کے شروع "الہد" میں ہی ہونا چاہیے تھا۔

پس اس عالم کے مطابق آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

"تم جو ایک دوسرے سے عزت چاہتے ہو اور وہ عزت جو خدا کے اکلوتے بیٹے کی طرف سے ہوتی ہے نہیں چاہتے کیوں کر ایمان لا سکتے ہو"۔

یوحنا۵:۴۴

"تمہارا باپ ابرہام میرا دن دیکھنے کی اُمید پر بہت خوش تھا۔ چنانچہ اُس نے دیکھا اور خوش ہوا"۔

پروفیسر برنی کہتے ہیں کہ ان دونوں فقروں میں لفظ "خوش" نہایت بے محل ہے اور غیر موزوں بھی ہے۔ پہلے فقرے میں لفظ "خوش" کی بجائے کوئی اور لفظ اصل ارامی زبان میں تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ابراہام میرا دن دیکھنے کی بہت تمنا رکھتا تھا یا وہ میرا دن دیکھنے کا نہایت مشتاق تھا۔ تب دوسرا فقرہ ایک نہایت زوردار اور پُر معنی فقرہ ہو سکتا ہے۔ موجودہ ترجمہ میں لفظ "خوش" کا اعادہ کیا گیا ہے۔ جس سے نہ صرف زور کم ہو جاتا ہے بلکہ فقرے کے دونوں حصوں میں کچھ فرق نہیں رہتا۔ ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ اصل ارامی کے کاتب نے یا یونانی مترجم نے دونوں فعلوں کو جن کا ترجمہ یہاں پر دونو جگہ "خوش" کیا گیا ہے گڈ مڈ کر دیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دونو فعلوں کا غلط ترجمہ ایک ہی لفظ یعنی خوش کیا گیا ہے۔ اس گڈ مڈ کی وجہ یہ ہے کہ یا ارامی کاتب نے اور یا یونانی مترجم نے ایک الف کو نظر انداز کر دیا ہے۔ پس اس فاضل مصنف کے مطابق پہلے فقرہ کے فعل میں حرف ''الف'' کو ایزاد کر دینا چاہیے۔

پس ڈاکٹر موصوف کے مطابق اس آیہ شریفہ کا اصل ترجمہ یہ ہے:

"تمہارے باپ ابراہام نے میرا دن دیکھنے کی اُمید کے لئے دعا کی۔ چنانچہ اُس نے دیکھا اور خوش ہوا"۔

پروفیسر برنی کہتے ہیں[1] کہ یہاں ارامی میں جو لفظ استعمال کیا گیا تھا اس کے معنی "خواہش مند" ہیں جس کا یونانی کے مترجم نے غلط ترجمہ کر کے اس آیت کے دونوں حصوں کو ایک سا بنا دیا ہے۔ پس پروفیسر موصوف کے مطابق اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

"تمہارا باپ ابراہام میرا دن دیکھنے کا خواہشمند تھا۔ چنانچہ اُس نے دیکھا اور خوش ہوا"۔

[1] C.F. Burney, The Aramaic Origin of the Fourth Gospel ch.7

مرقس ۱۰:۳۲

"اور وہ یروشلیم کو جاتے ہوئے راستہ میں تھے اور یسوع اُن کے آگے آگے جارہا تھا۔ اور وہ حیران ہونے لگے اور جو پیچھے پیچھے چلتے تھے ڈرنے لگے"۔

اس آیہ شریفہ میں یہ دقت پیش آتی ہے کہ اصل یونانی میں لفظ "وہ" جو تیسرے فقرے کا فاعل ہے۔ موجود نہیں ہے۔ پس یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون "حیران ہونے لگے"؟ اگر یہ شاگرد تھے تو ان کے حیران ہونے کی معقول وجہ کیا تھی؟ علاوہ ازیں وہ کون لوگ تھے "جو پیچھے پیچھے چلتے تھے"؟ اور یہ لوگ کیوں ڈرنے لگے"؟ عموماً مفسرین کہتے ہیں کہ یہ لوگ وہ تھے جو کارواں میں عیدِ فسح کے لئے یروشلیم کو جاتے ہوئے "آنخداوند کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ لیکن آیت ۳۲ کے دوسرے حصے اور آیت ۳۳ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جو "پیچھے پیچھے چلتے تھے" کوئی غیر نہیں تھے بلکہ وہ بارہ شاگرد ہی تھے۔ پس یہ تفسیر درست نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ہم ایک لمحہ کے لئے اس کو درست مان بھی لیں تو پھر اس سوال کا کیا جواب ہے کہ کارواں کے لوگوں کے لئے "ڈرنے" کا کیا موقعہ تھا؟

پس بعض مفسر مثلاً ڈاکٹر ٹرنر (C.H. Turner) اور ڈاکٹر سامنڈ (Salmond) وغیرہ کہتے ہیں کہ اس مقام میں یونانی متن میں کچھ فتور واقع ہو گیا ہے اور اصل قرات یہ ہو گی کہ "وہ حیران ہونے لگا[1]"۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ارامی زبان کے ہر لفظ کا ایک ایک حرف انگریزی، ہندی اور پنجابی زبانوں کے الفاظوں کی طرح الگ الگ لکھا جاتا تھا اور ارامی عبارت کے فقروں کے درمیان یا عبارت کے لفظوں کے درمیان لکھتے وقت کوئی فاصلہ یا وقفہ نہیں چھوڑا جاتا تھا۔ اور نہ ایک فقرہ کے ختم ہونے کے بعد اور دوسرے فقرے کے شروع کرنے سے پہلے کاتب کوئی فاصلہ چھوڑتا تھا۔ پس کاتب اور مترجم دونوں سے اس غلطی کے ہونے کا امکان تھا کہ وہ کسی ایک لفظ کے آخری حرف کو اس کے بعد کے دوسرے لفظ کے شروع کا حرف سمجھ لیں یا دوسرے لفظ کے شروع کے حرف کو پہلے لفظ کا آخری حصہ سمجھ لیں۔

آیہ زیرِ بحث میں اسی قسم کی غلطی واقع ہو گئی ہے جس سے مطلب خبط ہو گیا ہے۔ اس مقام کی ارامی عبارت میں حرف عطف واؤ (بمعنی اور) جو درحقیقت آیت کے چوتھے فقرے کا پہلا حرف ہے "(اور جو پیچھے پیچھے وغیرہ) اس کو ارامی کاتب نے یا یونانی مترجم نے تیسرے فقرے (وہ حیران ہونے لگے)" کے آخری لفظ "ہونے" کا آخری حرف سمجھ لیا جس سے یہ فعل صیغہ واحد کی بجائے صیغہ جمع ہو گیا یعنی "ہونے لگا" کی بجائے "ہونے لگے" ہو گیا۔ کیونکہ ارامی اور عبرانی زبانوں میں حرف واؤ حرفِ عطف بھی ہے اور جمع کی نشانی بھی ہے۔ پس اصل ارامی متن میں اس فقرے کا فعل واحد تھا۔ (حیران ہونے لگا) اور چونکہ اس سے اگلا فقرہ حرف واؤ (جو درحقیقت حرف عطف تھا) سے شروع ہوتا ہے لیکن یونانی مترجم نے اس کو اس فعل کے جمع کی نشانی خیال کر کے فعل کو جمع بنا دیا۔ جس سے آیہ زیر بحث بے معنی ہو گئی۔

[1] St. Mark (Cent Bible) p.701

یہاں لفظ "حیران" سے مراد حیرت نہیں ہے۔ بلکہ بے قراری اور بے چینی مراد ہے۔ دیکھو (مرقس ۱۴: ۲۳)۔

پس اس آیہ شریفہ کا اصل ترجمہ یہ ہے:

"اور وہ (یعنی سیدنا مسیح اور شاگرد) یروشلیم کو جاتے ہوئے راستہ میں تھے اور یسوع اُن کے آگے آگے جارہا تھا اور وہ بے چین ہونے لگا اور (شاگرد) جو پیچھے پیچھے چلتے تھے (اس کی بے قراری کو دیکھ کر) ڈرنے لگے۔

یوحنا ۱: ۱۳

"وہ نہ خون سے نہ جسم کی خواہش سے نہ انسان کے ارادہ سے بلکہ خدا سے پیدا ہوئے"۔

اس آیت میں بھی ارامی متن کے کاتب سے یا یونانی کے مترجم سے وہی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ جو (مرقس ۱۰: ۳۲) میں ہوئی تھی۔ یعنی حرفِ عطف واؤ جس سے اگلا فقرہ (کلام مجسم ہوا) شروع ہوتا ہے، آیت زیر بحث کے آخری لفظ یعنی فعل "ہونا" کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے جس سے وہ فعلِ واحد (پیدا ہوا) کی بجائے جمع (پیدا ہوئے) ہو گیا۔ کیونکہ ارامی اور عبرانی زبان میں حرف واؤ حرفِ عطف ہونے کے علاوہ جمع کی نشانی بھی ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ یہاں فعل مستقبل کے زمانہ میں نہیں ہے بلکہ ماضی کے زمانہ میں ہے یعنی "پیدا ہوں گے" نہیں ہے بلکہ "پیدا ہوئے" ہے۔ پس یہاں کوئی وعدہ موجود نہیں ہے کہ مومنین از سر نو پیدا ہوں گے۔ (دیکھو یوحنا ۳: ۳)۔ یہاں عبارت کا مفہوم بھی اسی بات کا مقتضی ہے کہ اس فعل کا تعلق صرف ایک واحد ذات کے ساتھ ہو۔ کیونکہ صرف ایک ہی واحد اکلوتا بیٹا تھا جو "نہ جسم کی خواہش سے اور نہ انسان کے ارادہ سے" پیدا ہوا۔ تمام ایماندار جسم کی خواہش سے اور انسان کے ارادہ سے پیدا ہوتے آئے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے (دیکھو یوحنا ۱: ۸۔ ۳: ۱۶۔ ۳: ۱۸ وغیرہ)۔

پس آیہ زیر بحث کا اصل ترجمہ یہ ہے:

"وہ نہ خون سے نہ جسم کی خواہش سے نہ انسان کے ارادہ سے بلکہ خدا سے پیدا ہوا"۔

صرف یہی ترجمہ عبارت کے سیاق وسباق کے مطابق ہو سکتا ہے۔ "وہ (کلام) اپنوں کے پاس آیا اور اس کے اپنوں نے اسے قبول نہ کیا۔ لیکن جتنوں نے اُسے قبول کیا۔ اس نے اُن کو خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا۔۔۔۔ وہ نہ خون سے نہ جسم کی خواہش سے نہ انسان کے ارادے سے بلکہ خدا سے پیدا ہوا۔ اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال"۔

اس ترجمہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں تک تجسم کے مفہوم اور سیدنا مسیح کی پیدائش کا تعلق ہے۔ مقدس یوحنا اور انجیل اول وسوم کے بیانات میں رتی بھر فرق نہیں ہے۔

متی ۲:۲۳

"اور (یوسف) ناصرت نام ایک شہر میں جابسا۔ تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا۔ وہ پورا ہو کہ وہ (یسوع) ناصری کہلائے گا"۔

پہلی صدی مسیحی سے انجیل اول کے مفسرین اُن مقامات کی تلاش میں سر گرداں رہے ہیں۔ جہاں "نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا کہ وہ ناصری کہلائے گا"۔ لیکن ان سے یہ معماتاحال حل نہیں ہو سکا۔ کیونکہ وہ یہ بات فرض کرتے رہے ہیں کہ یہ انجیل ابتدا ہی سے یونانی زبان میں لکھی گئی تھی۔ لیکن ان کو عہدِ عتیق کے صحفِ انبیاء میں کوئی ایسے مقامات نہیں ملے جن کی بناء پر یہ کہا جاسکے کہ آنخداوند کا "ناصری" کہلانا پورا ہوا۔

چوتھی صدی میں مقدس جیروم نے اور اس کے بعد دیگر مفسرین نے یہ بے سود کوشش کی کہ اس آیہ شریفہ کو یسعیاہ نبی کے صحیفہ (یسعیاہ ۱۱:۱) سے متعلق کیا جائے جہاں لکھا ہے کہ "یسی کے تنے سے ایک کونپل نکلے گی"۔ اور اس کی جڑوں سے ایک بار آور شاخ پیدا ہو گی"۔ یہ کوشش ناکام رہی ہے۔ کیونکہ یہاں لفظ "ناصری" نہیں ہے۔

لیکن اصل حقیقت یہی ہے کہ انجیل نویس کی مراد اسی آیت یعنی (یسعیاہ ۱۱:۱) سے ہے۔ اور چونکہ حضرت یرمیاہ نبی مسیح موعود کے لئے لفظ "شاخ" استعمال کرتا ہے (یرمیاہ ۲۳:۵، ۳۳:۱۵) لہٰذا انجیل نویس صیغہ جمع کا استعمال کر کے کہتا ہے کہ "جو (یسعیاہ اور یرمیاہ) نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہوا"۔

ڈاکٹر ٹوری جو ارامی زبان کے ماہر ہیں لفظ "ناصری" کے معما کو یوں حل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ انجیل پہلے پہل ارامی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اور اس آیت کے ارامی متن میں جو الفاظ تھے وہ یہ تھے۔

"نصریتقرا" جن کے معنی ہیں "وہ شاخ کہلائے گا"۔ لیکن ارامی کاتب نے یا یونانی مترجم نے دوسرے لفظ "یتقرا" کے پہلے حرف ی کو اس سے پہلے لفظ "نصر" کا آخری حرف سمجھ لیا۔ اور یوں لفظ "نصر" حرف ''ی'' کے ساتھ "نصری" ہو گیا اور اس کا یونانی زبان میں "شاخ" کی بجائے "ناصری" ترجمہ ہو گیا۔

اس غلطی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ارامی عبارت کے فقروں کے درمیان اور فقروں کے مختلف الفاظ کے درمیان اور الفاظ کے حروف کے درمیان (جو الگ الگ لکھے جاتے تھے) کوئی وقفہ یا فاصلہ چھوڑا نہیں جاتا تھا۔ پس کاتب کے سامنے ارامی عبارت یوں تھی:

"ن ص ر ی ت ق را"۔ پس کاتب یا مترجم نے "یتقرا" کی ''ی'' کو اس سے پہلے لفظ "نصر" کا آخری حرف سمجھ کر "نصری" لکھ دیا۔ اور "یتقرا" کی ''ی'' کو بھی بحال رکھا۔ اور اس کو یوں پڑھا۔

"ن ص ر ی ی ت ق را" یوں لفظ "نصر" بمعنی "شاخ" جس کا ذکر یسعیاہ اور یرمیاہ نبیوں کے صحیفوں میں موجود ہے "نصری" یعنی ناصری ہو گیا۔ چونکہ اس زمانہ میں کتابوں طوماروں میں لکھی جاتی تھی اور ابواب اور آیات میں منقسم نہ تھیں لہٰذا ارامی کاتب یا یونانی مترجم نے طوماروں کو کھول کر حوالہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ بالخصوص جب کہ یہ آیہ زیر بحث میں کسی خاص نبی کا نام بھی نہیں لکھا تھا۔

چونکہ ارامی زبان میں الفاظ "ناصرت" اور "نصر" ایک ہی اصل سے ہیں۔ لہٰذا انجیل نویس یہاں صنعت ایہام اور تجنیس استعمال کر کے لکھا ہے کہ حضرت یوسف ناصرت میں جا بساتا کہ جو یسعیاہ اور یرمیاہ نبی کے صحیفوں میں لکھا تھا وہ پورا ہو کہ یسوع "نصر" یعنی شاخ کہلائے گا۔

یوحنا ۷: ۳

"یہودیوں کی عیدِ خیام نزدیک تھی۔ پس اُس (یسوع) کے بھائیوں نے اس سے کہا۔ یہاں (یعنی گلیل) سے روانہ ہو کر یہودیہ کو چلا جا تا کہ جو کام تو کرتا ہے اُنہیں تیرے شاگرد بھی دیکھیں"۔

موجودہ یونانی ترجمہ حیران کن ترجمہ ہے۔ کیونکہ آنخداوند کے گلیلی شاگرد تو آپ کے معجزاتِ بینات (روشن دلائل) کو ہمیشہ دیکھتے رہتے تھے۔ پس بعض مفسرین لفظ "شاگرد" سے مراد اُن شاگردوں سے لیتے ہیں، جو اُن کے خیال میں یہودیہ میں رہتے تھے۔ لیکن آیہ شریفہ کے سیاق وسباق سے اس تاویل کی حمایت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس سے اگلی آیت میں ہی آپ کے بھائی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ تو گذشتہ سال بھی عیدِ خیام کے موقعہ پر یروشلیم نہیں گیا تھا لیکن "ایسا کوئی نہیں جو مشہور ہونا چاہے اور چھپ کر کام کرے۔ اگر تو یہ کام کرتا ہے تو اپنے آپ کو دنیا پر ظاہر کر" ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ آنخداوند کے بھائیوں کا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ فی الحقیقت مسیح موعود ہیں تو آپ کو یروشلیم میں جا کر عیدِ خیام کے موقعہ پر بین نشانوں کے ذریعہ دنیا پر یہ بات ظاہر کر دینی چاہیے اور اپنی کوششوں کو دُور افتادہ گلیل کے صوبہ کے جاہل اور گنوار عوام تک ہی محدود نہیں رکھنا چاہیے۔

ڈاکٹر ٹوری کہتے ہیں کہ ارامی زبان میں اس فقرہ کا فعل (دیکھیں) جمع غائب ہے۔ جس کا فاعل "لوگ" فعل میں ہی مضمر ہے۔ ارامی کاتب نے یا یونانی مترجم نے حرفِ عطف واؤ کو جو الفاظ "تیرے شاگردوں" سے پہلے ارامی عبارت میں تھا نظر انداز کر دیا اور یوں اس آیہ شریفہ کا اصل مطلب خبط ہو گیا۔ آنخداوند کے بھائیوں کے مشورہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ تو عیدِ خیام کے موقعہ پر گلیل سے یروشلیم جا، وہاں تمام ارض مقدس (دنیا) جمع ہو گی اور قوم کے اُمراء اور رؤسا، علماء اور فضلا سب لوگ اُن کاموں کو دیکھ سکیں گے جو تو کرتا ہے اور وہ تیرے شاگردوں کو بھی دیکھ سکیں گے جو یہاں گلیل سے اور دوسری جگہوں سے یروشلیم میں جمع ہوں گے۔ کیونکہ ایسا کوئی نہیں جو مشہور ہونا چاہیے اور گمنام مقاموں اور عام لوگوں میں ہی کام کرے۔ اگر تیرے کام فی الواقع مسیحائی کام ہیں تو اپنے آپ کو یروشلیم میں عید کے موقعہ پر ظاہر کر جہاں تمام دنیا جمع ہو گی۔ ظاہر ہے کہ اس ترجمہ میں نہ کسی تاویل کی ضرورت ہے اور نہ کوئی مشکل باقی رہتی ہے۔ پس ڈاکٹر ٹوری کے مطابق اس آیہ شریفہ کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

"اس کے بھائیوں نے اس سے کہا۔ یہاں سے روانہ ہو کر یہودیہ کو چلا جا تا کہ (لوگ) تیرے شاگردوں کو اور تیرے کاموں کو دیکھیں"۔

یوحنا۷: ۳۷۔۳۸

پھر عید کے آخری دن یسوع کھڑا ہوا اور اس نے پکار کر کہا۔ اگر کوئی پیاسا ہو تو میرے پاس آ کر پیئے۔ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے اُس کے پیٹ سے جیسا کتاب مقدس نے کہا ہے زندگی کے پانی کے دریا جاری ہوں گے۔

موجودہ ترجمہ کے مطابق یہ پتہ نہیں چلتا کہ خداوند مسیح نے اس مقام میں کس "کتابِ مقدس" کا حوالہ دیا ہے اور عبرانی کتب مقدسہ میں کس جگہ آیا ہے کہ ایماندار کے پیٹ سے زندگی کے پانی کے دریا جاری ہوں گے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں آنخداوند نے (یسعیاہ ۴۴: ۳۔ ۵۵: ۱۱۔ زکریاہ ۱۳: ۱۔ ۱۴: ۸۔ حزقی ایل ۴۷: ۱۔ ۱۲ یوایل ۳: ۱۸۔ یرمیاہ ۲: ۱۳) وغیرہ کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن ان تمام حوالہ جات میں الفاظ "اس کے پیٹ سے" کہیں نہیں ملتے۔ ان حوالجات کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ اہل یہود کے خیال کے مطابق یروشلیم دنیا کی ناف یعنی مرکز ہے"۔ لہٰذا مسیح موعود کے زمانہ میں زندگی کے پانی کے دریا یروشلیم کی ہیکل کی پہاڑی میں پھوٹ کر بہہ نکلیں گے اور دُور و نزدیک کے انسانوں کی زندگیوں کو سیراب کر دیں گے۔ سیدنا مسیح نے اپنے سامعین کو مطلع فرمایا کہ اب مسیح موعود کا دور شروع ہو گیا ہے لیکن اُن میں سے کسی نے بھی الفاظ "اس کے پیٹ سے" کو نہ سمجھا ہو گا کیونکہ جیسا مقدس کر سسٹم نے کہا ہے یہ الفاظ کتابِ مقدس کے کسی حصہ میں نہیں ملتے۔ ارامی زبان کے ماہرین کہتے ہیں کہ یہ الفاظ نہ عبرانی محاورہ کے مطابق ہیں اور نہ ارامی محاورہ کے مطابق ہیں۔

آیت ۳۸ کے پہلے حصہ کے الفاظ میں ڈکس بینری میں اختلافِ موجود ہے[1] اور اس قرات کو قبول کر کے مغربی کلیسیا کے قدیم مفسرین (اور بعض جدید مفسرین بھی) کہتے ہیں کہ یہ الفاظ "جو مجھ پر ایمان لاتا ہے" درحقیقت آیت ۳۷ سے متعلق ہیں اور سیدنا مسیح کا یہ قول دو متوازی حصوں پر مشتمل ہے۔ "جو کوئی پیاسا ہے وہ میرے پاس آئے۔ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ پیئے"۔

آیت ۳۸ کے باقی ماندہ حصہ کی نسبت مختلف علماء کے مختلف خیال ہیں۔ ڈاکٹر برنی[2] کہتا ہے کہ مذکورہ بالا کتب مقدسہ کے حوالہ جات ظاہر کرتے ہیں کہ اس مقام میں کوئی لفظ تھا جس کا مطلب "چشمہ یا ندی" تھا۔ جس کو یونانی متن کے مترجم نے غلط پڑھ کر وہ یونانی لفظ لکھ دیا جس کے معنی "پیٹ" ہیں۔ چنانچہ اس عالم کے خیال میں یہاں اصل ارامی لفظ "مین" (بمعنی چشمہ) تھا۔ جس کو یونانی کے مترجم نے "مینِ" (بمعنی پیٹ) پڑھ کر غلط ترجمہ کر دیا۔ پس اس عالم کے خیال میں آیت ۳۸ کے باقی ماندہ حصہ کا ترجمہ یہ ہے "جیسا کتابِ مقدس نے کہا ہے۔ زندگی کے پانی کے چشمہ سے دریا جاری ہو گے"۔ اور ان آیات کا ترجمہ یہ ہے "یسوع نے پکار کر کہا۔ جو کوئی پیاسا ہے وہ میرے پاس آئے۔ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ پیئے جیسا کتابِ مقدس نے کہا ہے زندگی کے پانی کے چشمہ سے دریا جاری ہوں گے"۔

ڈاکٹر ٹوری کے خیال میں ڈاکٹر برنی کا یہ حل درست نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ سیدنا مسیح نے اس آیت میں صاف اور واضح طور پر (زبور ۴۶ کی آیت ۴) کی جانب اشارہ کیا ہے کیونکہ اس آیت میں نہ صرف لفظ "دریا" موجود ہے بلکہ اگلی آیت میں الفاظ "اس (یروشلیم) کے بیچ میں" موجود ہیں اور سیدنا

[1] Strachan, the Fourth Gospel p.202
[2] Burney, Aramaic Origin of the Fourth Gospel p.110

مسیح کے سامعین جو یروشلیم میں کھڑے تھے آپ کے اصلی مفہوم کو پاگئے کہ آپ یہاں زبور شریف کی (زبور ۴۶: ۴) کا اقتباس فرمارہے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کہتا ہے کہ یہاں ارامی لفظ "گو" تھا جو اسم ضمیر مونث کے صیغہ میں لفظ "گوَہ" ہو گیا جو "شہر کے بیچ" کے لئے ہمیشہ استعمال ہوتا ہے (عزرا ۴: ۱۵) لیکن جب لفظ "گوَ" کے ساتھ اسم ضمیر مذکر ہو تب یہ لفظ "گوہ" پڑھا جاتا ہے جو ارامی کتب "مترجم" میں انسانوں اور حیوانوں کے پیٹ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ پس یونانی مترجم نے اس مقام میں ارامی لفظ "گوّہ" (بمعنی شہر یروشلیم کے بیچ میں) کو غلطی سے "گوہ" پڑھ کر غلط ترجمہ کر کے "اس کے پیٹ سے" لکھ دیا۔ ڈاکٹر ٹوری کے ترجمہ کے مطابق سیدنا مسیح کا مفہوم نہایت واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کی آمد سے مسیحائی دُور شروع ہو گیا ہے اور اب شہر یروشلیم کی ہیکل کی پہاڑی میں سے زندگی کے پانی کے دریا بہہ نکلیں۔ پس ڈاکٹر موصوف کے مطابق ان آیات کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

"پھر عید کے آخری دن یسوع کھڑا ہوا اور اُس نے پکار کر کہا۔

جو کوئی پیاسا ہے وہ میرے پاس آئے۔ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ پیئے"۔

(اب وہ وقت آ گیا ہے) جیسا کتابِ مقدس نے کہا ہے اس شہر (یروشلیم) کے بیچ سے زندگی کے پانی کے دریا جاری ہوں گے"۔